مدیر : سمیع الحق

اس شمارہ میں

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ ۲۵/- روپے۔ فی پرچہ ۲/۵۰ روپے
بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ۔ بیرونِ ملک ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

ع الحق استاد دار العلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

سماحۃ الشیخ عبداللہ الزائد
وائس چانسلر مدینہ یونیورسٹی کی آمد

۲۹ نومبر ۱۹۸۱ء اتوار کا دن دارالعلوم حقانیہ کے لئے مسرتوں کا دن تھا۔ کہ اس دن مرکز اسلام مدینہ طیبہ کے ممتاز تعلیمی ادارہ جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے سربراہ اور برگزیدہ شخصیت شیخ عبداللہ بن عبداللہ الزائد حفظہ اللہ نے دارالعلوم حقانیہ کو اپنے قدوم سے نوازا۔ کئی دن سے شیخ الجامعہ کی آمد آمد کا غلغلہ تھا اور تمام اساتذہ وطلبہ چشم براہ تھے، شیخ الجامعہ کی آمد سے قبل حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے ایک خصوصی اجتماع میں طلبہ کو مدینہ طیبہ کے ضیف مکرم کی آمد کا مژدہ سنایا تھا۔ اور یہ کہ علم وعمل ہر لحاظ سے قابل احترام مہمان کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کئے جائیں۔ معزز مہمان کی آمد کا وقت ایک بجے دوپہر طے تھا۔ مگر زہے نصیب کہ شیخ موصوف پروگرام سے دو ڈھائی گھنٹے قبل دارالعلوم اچانک پہنچ گئے۔ ابھی استقبال کی تیاری جاری تھی اور طلباء اسباق میں مصروف تھے۔ تاہم مہمانوں کی آمد پر طلبہ نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی قیادت میں پُرجوش خیرمقدم کیا، کچھ دیر دفتر اہتمام میں آرام فرماکر استراحت کے لئے احقر کے غریب خانہ تشریف لے گئے۔ گھنٹہ ڈیڑھ آرام فرمایا اور دوپہر کا کھانا تناول فرمانے کے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی معیت میں جامع مسجد دارالعلوم تشریف لائے۔ مسجد مشتاقین دید سے بھری ہوئی تھی۔ شیخ مکرم کے اقتداء میں نماز ظہر ادا ہوئی، نماز ظہر کے بعد معزز مہمان نے جلسہ گاہ ترحیبی میں جانے سے قبل دارالعلوم کا معائنہ کرنا تھا مسجد سے سیدھے دارالعلوم کے ابتدائی شعبہ تعلیم القرآن مڈل سکول جانا ہوا۔ اسی دوران طلبہ دارالعلوم اساتذہ اور علماء دو رویہ قطاروں میں کھڑے ترحیبی نعروں سے مہمان مدینہ کا گرمجوشی سے خیرمقدم کرتے رہے۔ سیدا سیدا مرحبا مرحبا۔ عاش الجامعۃ الاسلامیہ والجامعۃ الحقانیہ، عاش المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، عاش اتصالات العلم والدین بیننا وبینکم۔ کے نعروں سے دارالعلوم کے در و دیوار گونج رہے تھے۔

شعبۂ تعلیم القرآن میں تقریباً سات سو زیر تعلیم بچوں نے اساتذہ و ہیڈ ماسٹر کے ساتھ اپنے مخصوص انداز میں گارڈ آف آنر پیش کیا، عربی اردو ترانے پڑھے اور عربی سپاسنامہ کے بعد عربی میں طلبہ نے مکالمات سنائے شیخ موصوف معصوم بچوں کے نظم وضبط اور دینی معلومات سے بے حد متاثر دکھائی دے رہے تھے۔

واپسی میں آپ نے خشوع وخضوع کے ساتھ دعا فرمائی اور شکریہ ادا کیا یہاں سے آپ استقبالیہ قطاروں کے گھیرے میں کتب خانہ دارالعلوم دیکھنے گئے اور کتب خانہ کا کچھ دیر معائنہ کیا یہاں سے دفتر الحق میں فروکش ہوئے۔ جہاں احقر نے الحق اور مؤتمر المصنفین کی مطبوعات کا تعارف کرایا، الحق کے کچھ مجلدات اور مطبوعات مؤتمر کے مکمل سیٹ شیخ موصوف اور ان کے رفقاء کو پیش کئے گئے۔ نماز ظہر سے قبل آپ نے دارالعلوم کے دارالحفظ والتجوید کی جدید پرشکوہ عمارت اور زیر تعمیر ہاسٹل کا بھی معائنہ کیا اور بار بار۔ واللہ انما جھود عظیمۃ۔ جیسے کلمات سے خوشنودی ظاہر فرمائی۔

دارالتدریس کی درسگاہوں کو سرسری دیکھنے کے بعد استقبالیہ تقریب میں جلوہ افروز ہوئے دارالحدیث سے باہر دارالعلوم کے صحن میں پنڈال بنایا گیا تھا اور سٹیج پر چند حضرات کی نشست کا انتظام تھا۔ شیخ نے سٹیج پر قدم رکھا تو ایک بار پھر دارالعلوم کے در و دیوار اللہ اکبر اور استقبالیہ نعروں سے گونج اٹھے، دارالعلوم کا صحن طلبہ علماء کے مجمع سے بھرا ہوا تھا، تقریب کا آغاز دارالعلوم کے ایک جید قاری کے تلاوت کلام پاک سے ہوا اس کے بعد احقر نے دارالعلوم کے اساتذہ طلبہ اور شیخ الحدیث مدظلہ کیطرف سے عربی میں مبسوط سپاسنامہ پیش کیا، جس میں جامعہ اسلامیہ اور مملکہ عربیہ سعودیہ کے اسلام اور علوم اسلام کے لئے لازوال مساعی جمیلہ پر شکریہ ادا کیا تھا۔ اس کے بعد برصغیر میں انگریزی سامراج کی آمد دینی علوم کی نشر واشاعت کا نظام درہم برہم ہوجانے اور اہل اخلاص علماء کے مدارس طلبہ کا انتظام کرنے کا ذکر تھا۔ نیز یہ کہ دارالعلوم حقانیہ اور اس کے تعلیمی مرکز دارالعلوم دیوبند کا سلسلہ سند وتلمذ کن اساتذہ و رجال سے چلا ہے۔ اس ضمن میں شاہ ولی اللہؒ اور ان کے تلامذہ و اخلاف سے لیکر حضرت نانوتویؒ اور اس کے بعد مشاہیر علم وفضل کی قومی دینی وعلمی خدمات پر روشنی ڈالی گئی تھی۔

سپاسنامہ میں علم حدیث کی ترویج واشاعت کے لئے ان حضرات اور ان کے مدارس کے جہود مبارکہ کا بھی ذکر تھا کہ اس سے قبل ہندوستان کی تعلیمی وتدریسی پرواز صرف فقہی کتابوں تک تھی، ان اکابر ہی سے حقیقت میں برصغیر کا گوشہ گوشہ حدیث رسول کی اشاعت اور سنت نبوی کے فروغ سے منور ہوا۔ اس کے بعد دارالعلوم حقانیہ کی تاسیس سے لیکر اب تک اس کی ہمہ گیر سرگرمیوں، خدمات، شعبوں کے تعارف تلامذہ اور فضلاء کے فروغ دین کے لئے مساعی کا تفصیلی ذکر تھا۔ اور یہ کہ دارالعلوم حقانیہ کو آپ کے مادی تعاون کی نہیں بلکہ علمی وتعلیمی میدانوں میں اشتراک اسنادات کے معادلہ اور اسکی علمی حیثیت کے اعتراف کی توقع ہے۔

سپاسنامہ کے جواب میں شیخ عبداللہ الزائد نے نہایت پُر درد عالمانہ خطاب فرمایا جس میں دارالعلوم کی تائید و ترویج اہل علم کے باہمی اتحاد، دعوت وتبلیغ اور جہاد افغانستان کے لئے استعداد جیسے اہم مسائل پر روشنی پڑتی تھی۔ شیخ مکرم کے اس گھنٹہ بھر خطاب کا متن اور ترجمہ شریک الحق ہوگا۔ تقریب کے اختتام میں معزز مہمان دارالعلوم

حقانیہ کی علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کی طرف سے پچاس ہزار روپیہ امداد کا اعلان فرمایا اور عربی اساتذہ کی بھی پیشکش فرمائی۔ شیخ مکرم کے وقیع خطاب کے بعد ان کے رفیق سفر جو (رابطہ المدارس کی نمائندگی بھی فرما رہے تھے۔) جناب ڈاکٹر استاد عبدالرزاق سکندر جامعۃ العلوم نیو ٹاؤن نے تقریر کی اردو میں ترجمانی کی۔ اختتام میں احقر نے شیخ موصوف کا اس گرانقدر امداد پر شکریہ ادا کیا، تقریب کے بعد طلبہ کے لئے ایک ہاسٹل کا سنگ بنیاد رکھوانے کا پروگرام تھا۔ دارالحدیث کے دائیں جانب بالائی حصہ پر ایک دارالاقامہ شاہ اسماعیل شہید کے نام پر منسوب مکمل ہو چکا ہے۔ بائیں جانب سید احمد شہید قدس سرہ کے نام پر دارالاقامہ کی تعمیر زیر تجویز ہے۔ کچھ عرصہ قبل عالم اسلام کی ممتاز شخصیت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے اس عمارت کی پہلی اینٹ اپنے ہاتھوں سے رکھی تھی مگر تعمیر کا کام تاحال شروع نہیں ہو سکا۔ آج معزز مہمان شیخ الزائد نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسی اینٹ کے ساتھ دوسری اینٹ رکھی اور اس طرح عرب وعجم کے اس قران السعدین کی شکل میں یہ مبارک بنیاد رکھی گئی۔ شیخ الزائد نے جس امداد کا اعلان فرمایا وہ اسی عمارت کی مد میں خرچ کی جائے گی۔ تقریب تاسیس کے بعد معزز مہمان جامع مسجد دارالعلوم گئے، اور نماز کی امامت فرمائی۔

عصر کے بعد معزز مہمان کو طلبہ نے با دیدہ پُرنم الوداع کہا۔ اور آپ پشاور تشریف لے گئے شیخ کے ساتھ اس دورہ میں ان کے معزز رفقاء القاری المقری عبدالقوی استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ محترم دوست مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب فیصل آباد محترم ومکرم جناب میاں فضل حق صاحب امیر جماعت اہلحدیث پاکستان اور ہمارے محترم فاضل دوست مولانا عبدالرزاق سکندر کراچی بھی شریک تھے۔ الحمدللہ کہ وسائل کی ہر طرح بے ربطی و سادگی کے باوجود معزز مہمان نے خوشگوار اثرات لئے جس کا بعد میں اطلاعات سے پتہ چلا کہ وہ دارالعلوم حقانیہ اور اس کے محترم شیخ الحدیث سے سب سے بڑھ کر اس دورہ میں متاثر ہوئے مدظلہ سے تو ان کی وابستگی اور مناسبت کا یہ حال ہوا کہ یہاں دوران قیام وہ بار بار حضرت کو والدی الکریم پکارتے رہے اور بار بار پیشانی کو چومنے کی سعی کرتے رہے۔ ہماری دعا ہے کہ برگزیدہ مہمان کا یہ دورہ دینی اداروں کے مابین گہرے علمی اور ثقافتی روابط کا ذریعہ بنے اور مرکز اسلام سے دارالعلوم حقانیہ کو قوی سے قوی نسبتوں کا حامل ثابت ہو۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

سمیع الحق

از حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ
رپورٹنگ: جناب محمد عثمان غنی مدیر الارشاد

افاداتِ درسِ بخاری

درسِ بخاری شریف کے افتتاح کی ایک یادگار تقریب

مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۸۱ء بروز جمعرات جامعہ مدنیہ اٹک شہر میں حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب دامت برکاتہم کی دعوت پر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم تشریف لائے اور درسِ بخاری شریف کا افتتاح فرمایا۔ نماز ظہر کے بعد حضرت قاضی صاحب نے مختصر سا تعارف معززین شہر اور حاضرین مجلس سے کرایا۔ بعد میں حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ العالی نے خطبۂ مسنونہ پڑھا۔ آپ کے ساتھ حاضرین اور طلباء حدیث نے بھی خطبہ کے الفاظ دہرائے اور پھر اسی انداز سے بخاری شریف جلد دوئم کی ایک حدیث کا متن بھی تلاوت کیا گیا۔ آخر میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے مختصر خطاب فرمایا اس پُر وقار اور یادگار تقریب کا قلمی عکس پیشِ خدمت ہے۔ (احقر محمد عثمان غنی)

تعارفی کلمات از حضرۃ قاضی صاحب | بعد از خطبۂ مسنونہ ــــ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ آپؐ اپنے رب کی نعمتوں کو بیان فرماتے رہا کریں۔ ایک ہے غرور، فخر، وہ تو اور بات ہے۔ ایک ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بیان کرنا، یہ عبادت ہے۔ سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو اور ہم جیسے گنہگاروں کو تھوڑی سی دیر کے لئے اپنے گھر میں جمع ہو کر دین کی بات سننے کی توفیق بخشی ہے۔

ہمارے اکابر، اللہ سب کو سلامت رکھے۔ ان حضرات کا یہ ممتاز وصف ہے کہ وہ ہمیشہ اصاغر کی سرپرستی فرماتے رہتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ اصاغر کی لغزشوں پر سرزنش کریں، ان کو تنبیہہ کریں یا سمجھائیں، نہایت شفقت کے ساتھ ان کے گندے چہروں کو اسی طرح دھوتے رہتے ہیں جس طرح ماں اپنے بچے کے چہرے کو دھوتی رہتی ہے۔ یہ بھی اکابر کا خاصہ ہے، اور میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ وصف ہمارے

اکابر کے سوا اور کسی میں نہیں ہے۔ ہمارے اکابر کی اصاغر نوازی، چھوٹوں پر شفقت کرنا۔ یہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی میں ہے۔

بعض احباب پوچھتے ہیں کہ اتنے بڑے بڑے کام کیسے ہوتے رہتے ہیں۔؟ آپ کے پاس کون سا سرمایہ ہے ؟ کون سی طاقت ہے ؟ کس پر اعتماد ہے ؟ کتابیں چھپ رہی ہیں۔ رسالے نکل رہے ہیں، مدارس اور مساجد چل رہے ہیں۔ درس و تدریس کے سلسلے جاری ہیں۔ دینی محافل کا انعقاد ہو رہا ہے۔ تو میں ہمیشہ یہی کہتا ہوں کہ مادی اسباب پر نظر نہ رکھیں۔ سب سے بڑی اللہ تعالیٰ کی جو ہم پر رحمت ہے۔ وہ اکابر کی سرپرستی ہے۔ ان کی دعائیں ہمارا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ ہمیں اللہ کی ان نعمتوں کی قدر کرنی چاہئے۔ ——— آج کی یہ تقریب کوئی معمولی تقریب نہیں ہے۔ ایک تو دینی مدرسے میں دین کی بات ہوگی۔ پھر اس دین کی بات کو بیان کرنے کے لئے جس کتاب کا انتخاب کیا گیا ہے۔ وہ صحیح بخاری ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بعد اصح الکتب ہے۔ آج سے چند سال پہلے ہم نے اپنے مدرسے کے تعلیمی سال کے افتتاح کے لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کو زحمت دی تھی اور آپ بکمال شفقت تشریف لائے تھے۔ انہوں نے ہمارے ایک طالب علم کو اصول الشاشی کا درس پڑھا کر ابتداء کی تھی۔ ان کی وہ دعا اس وقت اتنی مستجاب ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج ہمارے مدرسے میں حدیث کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ درس قرآن ہے، درس حدیث ہے۔ پچھلے سال بخاری شریف جلد اوّل جب ہم نے شروع کی تھی تو ہمارے علاقے کے علماء کے سرپرست اور اس وقت کی بہت ہی بڑی علمی شخصیت، متقی، حیدر والے مولانا عبدالحکیم صاحب تشریف لائے تھے، انہوں نے بخاری کی جلد اوّل کا افتتاح فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ پچھلے سال بخاری جلد اوّل تکمیل پذیر ہوگئی۔ اللہ قبول فرمائے۔ اس سال میرا دل یہ چاہتا تھا کہ ہم حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم کو پھر زحمت دیں۔ یہ تو آپ حضرات بھی جانتے ہیں، میں بھی جانتا ہوں کہ حضرت ایک تو عدیم الفرصت ہیں، پھر ان کی عمر کا تقاضا، پھر امراض کا اتنا غلبہ ہے کہ یہ ان کی کرامت ہے کہ اس حال میں بھی سارے کام نبھا رہے ہیں۔

تو نہایت شفقت کے ساتھ انہوں نے ہماری سرپرستی فرمائی اور یہاں تشریف لانے کی درخواست کو شرف قبول سے نوازا، ان کا یہاں تشریف لانا ہی ہماری خوش بختی کا ضامن ہے۔ ہم گنہگار انسان ہیں، اس بستی میں آپ کے قدم آگئے، انشاء اللہ کئی عذاب ہم سے مرتفع ہو جائیں گے۔ اور پھر آپ حضرات تشریف لائے۔ تو عالم ربانی کی زیارت بھی عبادت ہے۔ ابھی حضرت حدیث کا سبق پڑھائیں گے۔ ایک منٹ لیں، دو منٹ لیں، جتنی آپ کی مرضی ہے، ہمارے لئے آپ کا آجانا ہی بہت بڑا شرف اور برکت

ہے۔ حضرت کے ساتھ آپ بھی حدیث پڑھیں گے، پھر آپ کا سلسلۂ سند حضرت کے ساتھ مل جائے گا۔ حضرت کے واسطے سے آپ کا سلسلۂ سند حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جائے گا۔ اور پھر جبریلؑ سے اور پھر خداوند تعالیٰ سے مل جائے گا۔

سند کا درجہ | یہ سند کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ صرف اسلام کا خاصہ ہے۔ کسی دین میں سند نہیں ہے۔ اس لئے حضرت کو تکلیف دی گئی ہے۔ کہ آپ تشریف لائیں اور ہمیں اس شرف سے مشرف فرمائیں۔ ہم نے ایک قسم کی گویا گستاخی کی ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسی چیزیں برکت کے حصول کے لئے گوارا کرلی جاتی ہیں، کیونکہ مقصد حصولِ برکت ہوتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث کی شخصیت | ان کا وجود اس برّصغیر ہی کے لئے نہیں بلکہ عالمِ اسلامی کیلئے اللہ کے دین کا ایک محافظ ہے۔ ان کی تقاریر اسمبلی میں ان کی بحثیں آپ حضرات نے پڑھی ہوں گی۔ ایک وہ مردِ فقیر جس نے ساری زندگی کتاب اللہ اور کتاب الرسولؐ کے پڑھانے میں گذاری، وہ کس طرح آئین کے متعلق اپنی صائب رائے دے سکتا ہے ۔ اور پھر ایوان سے منوا سکتا ہے۔ کہ ہم بوریہ نشین بھی یہ حق رکھتے ہیں کہ ہم بھی آئین کے متعلق کچھ کہیں۔ اور پھر ؟ بتایا کہ اگر ہمیں ذرا سا وقت ملے اور کچھ رکاوٹیں دور ہوجائیں تو آج بھی ہم اپنے اندر وہ طاقت رکھتے ہیں کہ اس ملک میں بلکہ عالمِ اسلامی میں اللہ کے نظام کو نافذ کرسکیں۔

انتخابی مہم میں حصہ | آپ حضرات جانتے ہی ہیں۔ کہ گذشتہ انتخابات میں سرحد کی ایک بہت بڑی شخصیت جو اس وقت صوبہ کے خود مختار وزیر اعلیٰ تھے کے ساتھ اس مردِ فقیر کا مقابلہ ہوا۔ لیکن اس کو حضرت نے ایسی شکست دی کہ وہ جگہ جگہ کہنے پر مجبور ہوا کہ میرے مقابلے میں انسان نہیں تھا بلکہ نبی تھا۔ (العیاذ باللہ) میں کیسے جیتتا اس سے۔؟

ہم نے حضرت کو واقعی بڑی تکلیف دی۔ میں خود اس پر نادم ہوں۔ لیکن میرے سامنے حضورؐ کا ایک واقعہ ہے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ حضرت سعدؓ کے ہاں اور آپؐ نے باہر سے استیذان فرمایا: "السلام علیکم" اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔ حضورؐ نے دوسری بار "السلام علیکم" فرمایا کوئی جواب نہیں آیا۔ تیسری بار فرمایا، کوئی جواب نہیں آیا۔ حضورؐ واپس لوٹے کہ تین مرتبہ میں نے السلام علیکم کہا ہے، کوئی جواب نہیں آتا تو اندر کوئی نہیں ہوگا۔ اور شریعت کا حکم بھی یہی ہے۔ کہ ایسی صورت میں واپس ہوجائیں۔ صحابیؓ حضورؐ کے پیچھے دوڑے دوڑے آئے کہ "اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے تو آپؐ کا اسلام سن لیا تھا" فرمایا: "تم نے یہ کیا کیا؟ جواب کیوں نہ دیا؟" "حضورؐ! میں نے تینوں بار جواب کہا مگر ذرا آہستہ کہا تاکہ جواب بھی ہوجائے اور آپؐ کے سماع تک بھی نہ پہنچے۔ تاکہ آپؐ مجھ پر بار بار

کہہ رہے ہیں۔ السلام علیکم۔ یہ برکتوں کا کلام منقطع نہ ہو جائے"۔ تو ہم نے بھی گستاخی ضرور کی ہے۔ لیکن انشاءاللہ ان کے قدوم سے ہمارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ آپ حضرات نے زیارت فرمائی۔ اب حضرت کے ارشادات کو سن لیں گے۔ اور یاد رکھیں۔ یہی لوگ ہیں میرے دوستو! دین کا دفاع کرنے والے۔ ہم مسلمان ہیں ہماری سب سے بڑی گراں مایہ جو متاع ہے وہ ایمان اور دین ہے۔ دین کے محافظ یہی لوگ ہیں۔ یہی دین کو محفوظ رکھنے والے ہیں۔ اور ہر باطل نظریہ کا ہر جگہ دفاع کرنے والے ہیں۔

حدیثوں کی چھلنی ہارون الرشید کے زمانے میں ایک زندیق پکڑا ہوا آیا جس نے موضوع حدیثیں بناکر احادیث کے ذخیرے میں جمع کر دی تھیں۔ ہارون الرشید کو پتہ چلا تو اس کو بلایا۔ حکم دیا کہ یہ گردن زدنی ہے۔ اس کی گردن اڑا دو، اس نے کہا "آپ مجھے ماریں کوئی بات نہیں ہے۔ جو میں نے کرنا تھا وہ کر لیا ہے۔ میں نے کئی لاکھ "حدیثیں" بناکر احادیث کے ذخیرے میں جمع کر دی ہیں، اب کوئی صحیح اور غلط حدیث میں امتیاز نہیں کر سکے گا۔ لوگوں میں بے دینی پھیل جائے گی۔"

تو کیا جواب دیا ہارون الرشید نے؟ کہا کہ "بے ایمان! تجھے نہیں پتہ؟ ہمارے پاس ایک چھلنی ہے وہ چھانے گی، تیری بنائی ہوئی موضوع "حدیثیں" نیچے گر جائیں گی، صحیح حدیثیں باقی رہ جائیں گی۔ اور وہ چھلنی کون ہے؟ عبداللہ ابن مبارک عظیم محدث۔ تو یہ لوگ دین کی چھلنیاں ہیں۔ یہ ہمارے دین کے محافظ ہیں۔ ان کی نیند بھی عبادت، ان کے دیکھنے سے بھی شیطان بھاگ جاتا ہے۔ بلکہ میرا ایمان ہے۔ اللہ کے ولیوں، علماءِ حق کی قبروں سے بھی شیطان بھاگتا ہے۔ وہاں بھی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

تو اب ہمارا چھوٹا سا پروگرام ہے۔ ہمارے مدرسے کے طلباء ہیں، وہ ایک حدیث پڑھیں گے حضرت اس کو سماعت فرمائیں گے۔ جتنا بھی آپ بولیں، ایک منٹ بولیں، دو منٹ بولیں، آپ بولیں گے اور پھر حضرت کی دعا پر یہ مجلس برخاست ہو جائے گی۔

درس حدیث کا افتتاح از حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ اَصْدَقَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَاَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔

وَبِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ اِلٰى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدِ ابْنِ اِسْمٰعِيْلَ ابْنِ

براھیم ابن مغیرۃ ابن بردزبہ - البخاری نفعنا اللہ بعلومہ آمین ۵

کتاب المغازی

باب غزوۃ العشیرۃ او قال العسیرۃ - وقال ابن اسحٰق اول ما
غزا النبی صلی اللہ علیہ وسلم الابواء ثم بواط ثم العشیرۃ ط

وبہ قال حدثنی عبد اللہ ابن محمد قال حدثنا وھب - قال حدثنا
شعبۃ عن ابی اسحٰق قال کنت الی جنب زید ابن ارقم رضی اللہ تبارک
وتعالٰی عنھم فقیل لہ کم غزا النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غزوۃ
قال تسع عشرۃ - قال کم غزوت ما انت معہ - قال سبع عشرۃ :
قلت فایھم کانت اول - قال العشیرۃ او العسیرۃ ط فذکرت لقتادۃ ط
رحمہ اللہ تبارک وتعالٰی - فقال العشیرۃ بلا شک -

(نوٹ :- حاضرین نے سبقاً سبقاً حدیث کا ایک ایک جملہ حضرت کے پیچھے پیچھے دہرایا)

میرے محترم بزرگو! بخاری شریف جلد ثانی کا یہ افتتاح ہو رہا ہے، اللہ تبارک وتعالٰی اس کی برکات ہم سب کو عطا فرمائیں۔ حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی دامت برکاتہم اس افتتاح کے لئے زیادہ انسب تھے اور زیادہ لائق ہیں، وہ حقیقت میں مجمع البحرین ہیں - علوم ظاہریہ بھی اللہ تبارک وتعالٰی نے ان کو وافر عطا فرمائے ہیں - اور علوم باطنیہ سے بھی اللہ نے ان کو نوازا ہے۔ حضرت لاہوریؒ کے مجاز خلیفہ ہیں اور حضرۃ شیخ مدنی رحمۃ اللہ جو ہمارے سب کے شیخ ہیں، ان کے شاگرد ہیں - ان سے بیعت ہیں، اور پھر ان کی دینی خدمات ہمیں معلوم ہیں کہ یہ کوہاٹ ، پشاور ، واہ ، راولپنڈی ، اسلام آباد ، ایبٹ آباد اور دوسرے شہروں میں جاکر قرآن مجید کے درس دیتے ہیں۔ یہ اللہ کی امداد ہے ان کے ساتھ اور اللہ کی جانب سے اتمام حجت ان کو بنایا ہے - قیامت کے دن یہ کوئی نہیں کہہ سکے گا کہ ہمیں دین کے مسائل معلوم نہ تھے ۔ کیونکہ اللہ تعالٰی ارشاد فرمائیں گے۔ "کیوں زاہد الحسینی تشریف نہیں لائے تھے، آپ کے ہاں؟ اور آپ کو تبلیغ انہوں نے نہیں کی تھی -؟" اتمام حجت ہو رہا ہے - وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً ٥ (بنی اسرائیل ۱۵)

یہ ہر ایک کی ہمت نہیں ہے - ہم جیسے بوڑھوں اور کمزوروں کے لئے تو ایک قدم لینا بھی مشکل ہے -
حضرت مولانا کو اللہ تعالٰی صحت اور عافیت اور عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کے صاحبزادوں کو اللہ تعالٰی ان کا جانشین بننے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ سب حضرات کو یہ رفاقت جو دین اور دنیا کے فوائد سے

مالا مال ہے۔ نصیب فرمائے۔

شرکاءِ مجلس کیلئے بشارات خدا کرے کہ کچھ کلمات آپ کی خدمت میں عرض کرسکوں، سب سے پہلے دو تین باتیں ہیں۔ جو مختصراً عرض کرتا ہوں۔ اوّل تو یہ کہ آپ حضرات علم سیکھنے کیلئے اس مسجد میں تشریف لائے ہیں۔ کسی نے دس قدم لئے ہوں، کسی نے سو قدم، کسی نے ہزار قدم، کوئی اپنے کمرے سے یہاں تک آیا ہو، بہرتقدیر مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سهل الله له طريقًا الى الجنة۔ کا مصداق ہو جاتا ہے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی ایک طریقہ، ایک راستہ چلائے اور اس کا مقصد یہ ہو کہ علم حاصل کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے بدلے میں جنّت پہنچانے کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جنّت عطا فرمائے۔ اس میں ضروری نہیں ہے کہ سفر اختیار کیا جائے، میں نے عرض کیا ہے۔ کہ اس کمرے سے اس کمرے تک بھی دو تین قدم جو چلا ہو وہ بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ بہرتقدیر اگر جسمانی قدم نہ ہوں، قلم کے ذریعے سے آپ نے کچھ علمی وضاحت کرلی، زبان کے ذریعے سے یہ بھی اسی زمرے میں شامل ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کا خاتمہ جنّت میں جانے کا کر دیتا ہے۔ اس کے لئے جنّت کا راستہ آسان کر دے گا۔ مثلاً ایک شخص ہے کہ اس کو اللہ نے توفیق دی درس میں شریک ہونے کی۔ اور اس کے سوا کوئی دین کی خدمت نہیں۔ درس میں شرکت کی ہے تو اللہ اس کے لئے اس درس کی شرکت کی وجہ سے جنّت کا راستہ آسان کر دے گا۔ مثلاً آخری عمر میں اس نے حج کر لیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَآءٌ اِلَّا الْجَنَّةَ ط۔ حجِ مقبول کی جزاء اور بدلہ اللہ کے نزدیک سوائے جنّت کے اور کوئی نہیں۔

کتنی بڑی بات ہے! اس کے لئے اللہ نے جنّت کا راستہ آسان کر دیا۔ یا ایک اور مثال ہے کہ ایک شخص آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جہاد کے دوران، اور عرض کرتا ہے۔ کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اگر کلمہ پڑھ لوں، مسلمان ہو جاؤں، اور جہاد میں شریک ہو جاؤں تو کیا اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے بخش دے گا؟" حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں ضرور بخشے گا۔" اس شخص نے کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط اس کی مٹھی میں چند چھوہارے تھے، ان چھوہاروں کو پھینکا اور جا کر دشمن کی صفوں میں گھس گیا، اور اسی وقت شہید ہوگیا۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسّم فرمایا۔ اور کہا کہ دیکھا آپ نے اس شخص کو، کلمہ پڑھ کر شہید ہوا ہے۔ نہ اس نے نماز پڑھی ہے۔ نہ روزہ رکھا ہے۔ نہ زکوٰۃ دی ہے۔ نہ حج کیا ہے، لیکن جو قربانی تھی اس نے کر لی، اب یہ جنّت کا راستہ اس کے لئے آسان ہوگیا یا نہیں ہوا؟ جنّت کے لئے جو راستے ہیں، ہزاروں کروڑوں راستے، وہ اللہ کے علم میں ہیں۔ اللہ ہم سب کو جنّت عطا فرمائے۔ جس شخص نے علم کا طریقہ اختیار کیا۔

علم کے راستے پر روانہ ہوا، آپ حضرات یہاں جمع ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے۔

مزید خوشخبری

دوسری چیز۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نَضَّرَ اللّٰہُ اِمرأً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاهَا ثُمَّ اَدَّاهَا کَمَا سَمِعَهَا۔ (اوکما قال) اللہ تبارک وتعالیٰ ترو تازہ رکھے اس شخص کو جو بھی میرا کلام سنے جیسے آپ نے جلد دوم بخاری شریف کی ایک حدیث آج سن لی، اور جلد اوّل پہلے ختم کرلی، کلام سن لیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ ترو تازہ رکھے۔ وہ دنیوی و اخروی دونو لحاظ سے ترو تازہ ہوں۔ حضرت مولانا زاہد الحسینی دامت برکاتہم نے ابھی آپ سے فرمایا کہ میرے دوست کہتے ہیں یہ تمام کام کیسے چل رہے ہیں۔؟ میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ جو حدیث شریف کی خدمت کرے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ترو تازہ رکھیں گے۔ دنیا میں بھی، آخرت میں بھی، نہ اس کے لئے پیسوں کی کمی، نہ کپڑوں کی کمی، نہ مکانوں کی کمی، نہ باغوں کی کمی، نہ عزت کی کمی، نہ جلالت کی کمی، کوئی بھی کمی نہیں ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے۔ نَضَّرَ اللّٰہُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ۔ جس نے میرے مقالے کو سنا، ایک حدیث کو سنا، اس کو یاد کرلیا۔ پھر اس حدیث کو پہنچا دیا۔ اور لوگوں کے پاس۔ وَاَدَّاهَا کَمَا سَمِعَهَا۔ جس طرح اسے سنا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہے۔ یقیناً۔

اصلی عزت

میں کبھی کبھی اپنے طلباء سے کہتا ہوں حضرت مولانا صاحب عوزغشتویؒ آپ جانتے ہیں، محدث تھے، کتنی بڑی عزت تھی ان کی، کتنا بڑا جلال اور جمال تھا اُن کا، اُن کے مقابلے میں اور بھی بہت سے اچھے اچھے علماء بھی تھے، عوزغشتی میں بھی تھے، چھچھ میں بھی تھے، ہزارے میں بھی تھے، اُس زمانے میں لیکن جو ترو تازگی اور جو عزت حضرت مولانا صاحبؒ کو ملی تھی وہ کسی اور کو حاصل نہ تھی۔ یہ انعام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی ہی کا نتیجہ تھا کہ نَضَّرَ اللّٰہُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا کَمَا سَمِعَهَا۔ تو حضرت مولانا زاہد الحسینی کے جتنے کام ہیں وہ دین کے لئے ہیں اور حدیث کی اشاعت کیلئے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اِن کو بھی ترو تازہ رکھیں گے۔ کوئی کمی انشاء اللہ کسی چیز میں نہیں آئے گی۔

علماء حدیث کا بلند مرتبہ

اور اس کے علاوہ حدیث میں آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِیْ۔ یا اللہ! میرے خلیفہ جو ہوں گے، اُن پر رحم فرما۔ کتنا بڑا مشفقانہ لفظ ہے۔ یا اللہ! جو میرے نائب ہوں گے، میرے خلیفہ ہوں گے۔ اے اللہ! اُن کے اوپر رحم فرما۔ تو حدیث میں آتا ہے صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ کے خلفاء کون ہیں؟ فرمایا میرے خلفاء وہ ہیں جو حدیثوں کو پڑھ کر یاد کرلیتے ہیں۔ اور پھر دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ وہ ہیں میرے خلفاء۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ یہ میرے خلیفہ ہیں، میرے قائم مقام ہیں، اور دین کی اشاعت کرنے والے ہیں جو دین اور وحی اور

حدیث کو سیکھ کر پھر دوسروں تک پہنچائیں۔ تو اللہ اس پر رحم کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یقینا مستجاب ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس دعا کی برکت سے ہم سب کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان میں شمار فرمائے۔

حضور اکرمؐ کا قرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن میرے قریب سب سے زیادہ وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ درود شریف مجھ پر بھیجتا ہے۔ تو علماء حدیث جو حدیث پڑھتے ہیں۔ ہر حدیث کی ابتداء میں یہ ضروری ہے کہ صحابی کا نام آئے تو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تابعین بھی ساتھ ہوں رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہم اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام جب آئے تو اس کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنا چاہیئے۔ تو دن میں اگر سو حدیثیں ہوں گی تو سو بار کم سے کم درود شریف پڑھیں گے۔ ہزار حدیثیں اگر تو ایک ہزار دفعہ درود شریف پڑھ لیا۔ پھر جو مکثرین صلوٰۃ ہیں وہ وہ لوگ ہیں جو علم حدیث پڑھتے ہیں پڑھاتے ہیں۔ جو درس میں شریک ہوتے ہیں۔ شریک ہونے والا اور پڑھانے والا دونوں ایک ہی حکم میں

امام بخاریؒ کے حالات میرے محترم بزرگو! حدیث کی بڑی فضیلت ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے امام بخاریؒ کو بہت بڑا شرف عطا فرمایا ہے۔ ان کا نام ہے ابوعبداللہ محمد ابن اسمٰعیل ابن ابراہیم ابن ابن بردزبہ۔

۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۳ر شوال، جمعہ کی نماز کے بعد بخارا کے اطراف وجوانب میں اللہ تعالیٰ ان عالم ظہور میں لے آئے اور یکم شوال بعد از عشاء ۲۵۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ تقریباً ساٹھ برس ان کی تھی۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو جو حافظہ دیا تھا وہ بھی بلا کا تھا۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں دس برس کا بچہ تھا کہ اس زمانے میں بخارا کے علماء مدارس میں درس حدیث میں شامل ہوتے تھے، میں بھی جا بیٹھتا علماء مجھے فرماتے کہ بچے جاؤ جا کر کھیلو۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ حضرات نے پندرہ دن میں پندرہ ہزار پڑھ لی ہیں۔ ہر روز ایک ہزار حدیث استاذ پڑھاتا رہا۔ اور آپ لوگ آکر کے مجھ سے سن لیں۔ پہلے دن فلاں حدیث، فلاں حدیث، فلاں حدیث پڑھائی گئی۔ ایک ہزار حدیثیں گنوا دیں۔ اور پھر دوسرے دن جو ایک ہزار حدیثیں پڑھائی گئیں وہ یہ ہیں۔ تیسرے دن کی حدیثیں یہ ہیں۔ تو وہ عالم جو ناقل ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم حیران ہوئے کہ یا اللہ! اس بچے کو آپ نے کس طرح کا حافظہ عطا فرمایا ہے۔

اتنا بڑا حافظہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا کہ وہ ہر ایک دن میں ایک ہزار احادیث سن کر حفظ کر لیتے تھے۔ ان کے پاس تقریباً چھ لاکھ حدیثیں جمع تھیں ـــــ چھ لاکھ ـــــ اور جیسا کہ حضرت مولانا نے آپ کے سامنے اشارہ بھی کیا کہ ایک ملحد نے یہ کہا کہ میں نے اپنا کام کر لیا ہے۔ میں نے حدیثیں بہت سی گھڑلی ہیں

اس سے دین میں گڑبڑ پیدا ہوگی ۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے ملحدین کی تذلیل کے لئے جیسے عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا فرمایا ۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا فرمایا ۔ وکیع رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا فرمایا ، اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دین کا کام لیا ۔ ان کو چھ لاکھ حدیثیں یاد تھیں ۔ اور ایک دن ان کے استاذ اسحاق ابن راہویہ نے کہا کہ ایسا کوئی کارنامہ ہمارے طلباء کرلیں کہ خالص ، مرفوع حدیثوں کو جمع کرلیں ۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات آئی کہ اس خدمت کے لئے میں کھڑا ہوتا ہوں لیکن چونکہ یہ بڑا اہم کام تھا ، اس لئے میں نے اس میں تردد کیا ۔ تو خواب میں میں نے دیکھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور میں مورچھل پنکھا جھلا رہا ہوں اور گرد و نواح میں مکھیاں ہیں ، ان کو اڑا رہا ہوں ۔ تو امام بخاریؒ خواب سے جب اٹھے تو ظاہر بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا یہ بالکل صحیح ہے ۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے ۔ شیطان کو اللہ نے یہ طاقت نہیں دی کہ وہ پیغمبر کی شکل میں بیداری میں یا خواب میں آسکے تو امام بخاریؒ حیران ہوگئے ۔ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن پہ تو مکھیاں بیٹھا نہیں کرتی تھیں ۔ یہ خواب جو میں نے دیکھا اس کی تعبیر کیا ہے ۔ ؟ پھر انہوں نے اپنے استاذ کے سامنے یہ خواب پیش کیا ۔ انہوں نے کہا کہ مبارک ہو تمہارے ہاتھ سے اللہ تبارک وتعالیٰ دین کی خدمت لے گا ۔ اور وہ حدیثیں جو کمزور ہیں وہ الگ کردو اور جو قوی روائتیں ہیں ۔ اُن کو تم جمع کرلو ۔ پھر اس کے بعد امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میرا جذبہ بڑھا اور مجھے مزید شوق پیدا ہوا ۔ تو چھ لاکھ حدیثیں ان کو یاد تھیں ۔ اُن چھ لاکھ حدیثوں میں سے انہوں نے انتخاب کرلیا ہے ۔ یہ دونو جلدیں جو ہیں ان میں سات ہزار دوسو چوہتر حدیثیں ہیں ۔ (۷۲۷۴) اور مکررات کو اگر نکال دیں ۔ تو چار ہزار رہ جائیں گی ۔ تو جو چھ لاکھ حدیثوں کا مغز اور نچوڑ ہے وہ امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں جمع کردیں اور کس طریقے پر ؟ اس طریقے پر کہ ہر حدیث کو جو انہوں نے کتاب میں درج کیا ہے تو سب سے پہلے غسل کیا ۔ اور خوشبو لگائی ، پھر دو رکعتیں استخارے کے طور پر پڑھیں ۔ پھر استخارے کے بعد جب انہیں اطمینان ہوا کہ یہ حدیث صحیح ہے تو انہوں نے پھر اس کو لکھنا شروع کیا ۔ اور روضۃ من ریاض الجنۃ کے پاس ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کے پاس بیٹھ کر تراجم ابواب انہوں نے لکھے مثلاً باب بدء الوحی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، باب العلم قبل العمل وغیرھا تراجم ہیں وہ لکھے ۔ سولہ برس میں تقریباً انہوں نے ان حدیثوں کا انتخاب مسودے میں کیا ۔ ایک مسودہ انہوں نے تیار کیا ۔ اور پھر اس مسودے کو دو جگہ حرمین الشریفین میں ، مکہ معظمہ میں مقامِ ابراہیم کے درمیان میں لکھنا شروع کیا یا مدینہ منورہ میں روضۃ من ریاض الجنۃ کے پاس بیٹھ کر کے لکھنا شروع کیا مولانا محمد ابن احمد مروزی فرماتے ہیں کہ میں خانہ کعبے میں مقامِ ابراہیم میں مراقبہ ہوا ، نیند آئی وہیں تو کیا

دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوں تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے کہ اے مروزی ! کب تک امام شافعیؒ کی کتاب پڑھوگے ؟ میری کتاب کیوں نہیں پڑھتے ؟ میں نے عرض کیا کہ حضرتؐ آپ کی کتاب کونسی ہے ؟ فرمایا اَلْجَامِعُ الصَّحِیْحُ لِلْبُخَارِیْ ۔ فرمایا یہ ہے میری کتاب ۔ اس کو بھی تو پڑھا کرو ۔ اسے کیوں نہیں پڑھتے ؟

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں ۔ اس لئے کہ صحیح اور مرفوع احادیث اس میں جمع کی گئیں ۔

جہاد کی حقیقت اہمیت | جو احتیاط امام بخاریؒ نے کی ہے ۔ جو تقویٰ اور زہد انہوں نے اختیار کیا اسکی تو کوئی مثال اب تک نہیں ہے ۔ یہ بھی میں آپ سے عرض کر دوں کہ بخاری شریف ابتدا سے لیکر انتہا تک تمام دین کے اوپر حاوی ہے ۔ دین کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جسکی طرف اشارہ یا ثبوت یا دلیل بخاریؒ نے نہ بیان کی ہو ۔ یہ آج جو ہم نے عبارت پڑھی اس کو کتاب المغازی کہتے ہیں ۔ اس سے پہلے جلد اوّل میں باب الجہاد گذرا ہے ۔ وہ تقریباً ڈھائی پارے ہیں ، جہاد کا حکم کیا ہے ؟ جہاد کب عند اللہ جہاد ہوگا ۔؟ نیت کیسی ہونی چاہئے ؟ تو وہ جہاد کے جو مسائل ہیں وہ مسائل تو جلدِ اوّل میں گذر چکے ہیں ۔ جہاد نام ہے کس چیز کا ؟ جد و جہد کا دین کی حفاظت کیلئے اپنی طاقت اور اپنی مشقت کو خرچ کرنا ۔ یہ ہے جہاد ۔

تو جہاد کے جو مسائل ہیں وہ جلد اوّل میں گذر چکے ہیں ۔ اب اس باب میں یہ بتائیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں کتنے غزوے فرمائے ، آپؐ نے کتنے سرایا فرمائے ؟ کتنے جیوش بھیجے ۔؟ غزوہ اس کو کہتے ہیں کہ جس میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس شریک ہوئے ہوں ۔ اور جب خود شریک نہ ہوں اور صحابہؓ کو بھیج دیا ۔ مہاجرین یا انصار یا دونو کو ، تو اس کو سرایا کہتے ہیں ۔ تو مغازی جو ہیں ان کے بارے میں مختلف اقوال ہیں ۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مغازی ۲۷ ہیں ۔ جن غزوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک ہوئے وہ ستائیس ہیں ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ چوبیس غزوات ہیں ۔ تیسرا قول یہ ہے ۔ کہ ۲۱ غزوات ہیں ۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ۱۹ غزوات ہیں ۔ زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انیس ۱۹ غزوات ہیں ۔ بہر تقدیر تفصیل کے ساتھ جن لوگوں نے ذکر کیا ہے ۔ وہ ۲۷ ہیں ۔

تو ۲۷ غزوات ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت فرمائی ۔ مثلاً غزوۂ تبوک ہیں ، غزوۂ خندق ہیں ، غزوۂ بدر ہیں ، غزوۂ اُحد ہیں ، اور سرایا جو ہیں جن میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو جو بھیجا وہ سرایا ہیں ، ان میں انصار و مہاجرین کو بھیجا ہے ۔ ان کے متعلق کم سے کم قول یہ ہے کہ چالیس سرایا ہیں ۔ اور ابن جوزی فرماتے ہیں کہ ۵۶ سرایا ہیں ۔ تو جو جماعتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے بھیجی ہیں ۔

اسلام کی خدمت اور اشاعت کے لئے وہ ۵۶ ہیں۔ اور خود بنفس نفیس جن میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت فرمائی ہے۔ وہ غزوات ستائیس ہیں۔ اس سے لوگوں نے کہا کہ اس حساب سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے بعد، چالیس سال پہ نبوت ملی، ۲۳ سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد روئے زمین پر رہے، تو اس بنا پر حضورؐ نے ۵ برس کی عمر میں جہاد شروع کیا۔ ہر تین مہینے میں ایک بار غزوہ کیا۔ اب ہم لوگ تو کہتے ہیں ہم بوڑھے ہوگئے ہیں، کمزور ہوگئے ہیں۔ اور بے ہمت ہوگئے ہیں، لیکن آپ جانتے ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے لئے تشریف لے جارہے ہیں قیصر کے مقابلے کے لئے تشریف لے جارہے ہیں۔ تو اُن غزوات میں جو شرکت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور سرایا کو جو بھیجا، ہر سہ ماہی میں ایک جہاد میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت فرمائی یا سریّہ کو بھیجا۔

اہلِ مدینہ کی وفاداری جہاد کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت تلوار اٹھائی جب مکہ معظمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی۔ تیرہ برس کفار کے ہاتھوں سے قسم قسم کی اذیتیں پہنچائی گئیں۔ یہاں تک کہ تین سال قید کیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیف بنی کنانہ میں۔ اور آخر میں پھر کافروں نے دار الندوہ میں مشورہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم آج رات شہید کر دیں گے، اُس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آئی کہ آپؐ ہجرت کریں۔ ان تیرہ برس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کافر کو جواب نہیں دیا۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (احقاف) فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا۔ (بقرہ ۱۰۹) یہ اللہ کا حکم تھا۔ یہ اللہ کیطرف سے تقریباً اسّی آیتیں صبر کی آئیں۔ تیرہ برس مکہ مکرمہ اور پھر اس کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ تو کفار نے اہلِ مدینہ کو بھی خطوط بھیجے، وفود بھیجے اور یہ کہا کہ اے اہلِ مدینہ! تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے یہاں ٹھہرنے کی اجازت مت دو ورنہ ہم تمہاری عورتوں کو باندیاں بنا دیں گے۔ اور تمہارے لڑکوں کو غلام بنا دیں گے۔ اور تمہارے مردوں کو قتل کر دیں گے۔ اور ہم تمہارے اوپر چڑھائی کر دیں گے۔

چنانچہ اہلِ مدینہ جمع ہوئے، اُن میں بعض منافقین بھی تھے۔ جیسے عبد اللہ ابن اُبیّ ابن سلول وغیرہ، تو اُن منافقین نے تقریریں کیں کہ بھائی یہ اہلِ مکہ شجاع اور بہادر اور لڑاکے لوگ ہیں اور یہ صحابہؓ جو تشریف لائے ہیں۔ یہ بھی مکے کے باشندے ہیں، اپنے گاؤں والے آپس میں جو بھی کچھ کریں، کریں۔ ہم ان کو جواب دیں گے کہ تم چلے جاؤ یہاں سے، تاکہ لڑائی ہمارے ہاں نہ آئے۔ لیکن جو نوجوان تھے انہوں نے کہا کہ جب تک کہ ہماری زندگی ہے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور کسی صحابیؓ کو کبھی بھی مدینہ منورہ سے باہر جانے نہیں دیں گے۔ ہم کبھی یہ برداشت نہیں کر سکتے نہ کفار کی دھمکیوں پر عمل کریں۔

فرضیتِ جہاد تو اُس وقت جب کافروں کو یہ اطلاع ملی کہ اہلِ مدینہ جو زمیندار لوگ ہیں انہوں نے

بھی ہمارا مقابلہ شروع کیا ہے۔ تو پھر اُن کافروں نے اس وقت سے تیاری شروع کی کہ جتنا ہو سکے سامان اور غلہ جمع کرو تاکہ ہم مدینہ منورہ پر حملہ کرکے ان انصار کو بھی شہید کر دیں۔ اور جو مہاجرین ہیں ان کو بھی شہید کر دیں۔ تو اس وقت پھر مسلمانوں کو چارہ نہ رہا بغیر جہاد کے۔ نیز اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ (الحج ۳۹) اب تمہیں اجازت ہے۔ دیکھو اگر شیر، چیتا، یا کتا حملہ کرتا ہے تو کیا ہم کھڑے رہیں گے۔ یا اس کے حملے سے اپنے آپ کو بچائیں گے۔؟ اگر سانپ یا بچھو سامنے آئے اور وہ ہم پر حملہ کرے تو کیا اپنے آپ کو بچائیں گے یا نہیں بچائیں گے۔ ۱۳ برس تک مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدافعت کی اور صحابہؓ سے کہا کہ کچھ بھی نہ کرو۔ صحابہؓ زخمی ہو کر بھی صبر کرتے، کافر لوگ ان کو تکلیفیں پہنچاتے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے صبر کرو۔

دوسرے کا مارنا آسان ہے، لیکن خود پٹ جانا اور صبر کرنا یہ مشکل کام ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تربیت صحابہؓ کو دی کہ خود تکالیف برداشت کرو۔ ۱۴ برس کے بعد پھر مجبوراً یہ اجازت جہاد کی ملی تھی اللہ کی طرف سے۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ۔ اور یہ فرمایا اللہ نے کہ تم کو گھروں سے نکالا گیا۔ اور اگر اب بھی تم کافروں سے نہ لڑو تو یہ مساجد ویران ہو جائیں گی۔ یہ مدارس ختم ہو جائیں گے، یہ عبادت ختم ہو جائے گی۔ پھر کوئی بھی نہیں رہے گا۔ تم ان کے ساتھ اب مدافعت کر سکتے ہو۔ اور میں نے آپ سے عرض کیا کہ مدافعت کا مطلب یہ ہے جیسے کہ سانپ اور بچھو کو قتل کرتے ہیں کہ نہیں کرتے؟ یہ نہیں کہ وہ کاٹیں تو تب قتل کرو بلکہ کاٹنے سے پہلے قتل کرو۔ تو یہ بھی جائز ہے۔ کہ جس کافر سے ہمیں خطرہ ہو جائے جیسے روس ہے کہ اب خدا اس کو طاقت نہ دے کہ وہ پاکستان پر حملہ کرے، لیکن کیا ہم اس کا انتظار کریں گے۔؟ نہیں، اس کا انتظار نہیں بلکہ ہمیں چاہیئے کہ وہاں جاکر اس کی گردن پر بیٹھ جائیں۔

بہرتقدیر تیرہ برس مکہ میں اور ایک برس مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کیا، صحابہؓ نے صبر کیا اور کفار کی تکلیفوں کو برداشت کیا، پھر اس کے بعد جب مجبور ہوئے اور کافروں نے بھی ارادہ کیا کہ مدینے پر چڑھائی کریں گے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اجازت دی کہ تم بھی تیاری کرو۔ تو سب سے پہلے جس جماعت کو بھیجا اس میں ابوا، پھر بوا، پھر عشیرہ، یہ تینوں مواقع میں اُن کو بھیجا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوں میں شریک ہوئے۔ اور ان کی مدافعت کی تفصیلات بہت لمبی چوڑی ہیں جن کے بیان کے لئے کافی وقت درکار ہے۔ اس لئے سلسلۂ کلام یہاں ختم کرتا ہوں۔

حضورؐ کا وسیلہ | یہ بھی آپ یاد رکھیں کہ بخاری شریف کے افتتاح اور ختم کے موقعہ پر جو دعا ہو اس کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں۔ آپ کو یاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی چھوٹے تھے عمر کے لحاظ سے،

ابوطالب ان کے چچا ہیں۔ ایمان اگرچہ نہیں لائے۔ لیکن اُن کی وفاداری اور خدمت گاری بڑی ہے۔ قحط پڑا تو ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اپنے بھتیجے کو رے کرکے خانہ کعبہ کے غلاف کو ہلا کر اللہ سے عرض کیا کہ ؎

وابیضَ یستقی الغمام بوجهه ثمال الیتامیٰ عِصمةٌ للاَرامل
یلوذ به الهلاك من آل هاشم فهم عنده فی نعمةٍ وفواضل

ترجمہ ابیات :۔ ۱۔ وہ سفید چہرے والا جس کے چہرے کی برکت سے بادلوں سے پانی مانگا جاتا ہے۔ ۲۔ یتیموں کی پناہ گاہ اور بیواؤں کی دادرسی کرنے والا ہے۔ ۳۔ اس کی پناہ میں آجاتے ہیں اولادِ ہاشم میں سے ہلاکت کی تہ میں پہنچنے والے۔ ۴۔ پس یہ لوگ اس کے ہاں نعمت اور فضیلت والے ہیں۔

اس نے کہا کہ یہ نورانی چہرہ ہے اور میں اس چہرے کی برکت سے بارش کی طلب کرتا ہوں کہ یا اللہ! بہ برکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک میں یہ برکت ہے کہ جس چیز کے لئے آپ دعا کریں گے انشاء اللہ وہ دعا اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے۔ شیخ جمال الدین صاحب ایک بڑے عالم ہیں، وہ کہتے ہیں میرے استاد شیخ اصیل الدین نے کہا کہ میں مشکلات میں پھنس گیا تھا۔ ایک سو بیس دفعہ میں نے تجربہ کیا کہ ہر مشکل کے لئے ختم بخاری شریف کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو حل کر دیا۔ تو جہاں بخاری شریف کا سبق ہوتا ہو جیسے یہاں اس مدرسے میں ہو رہا ہے۔ اور حضرت مولانا پڑھاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس بستی کو، اس قصبے کو، اس علاقے کو، اس گاؤں کو زلزلوں سے قحط سے وبائی امراض سے اور دیگر ظلمتوں، پریشانیوں اور مصیبتوں سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھتے ہیں۔ چند منٹ کے لئے آپ اس کو غنیمت سمجھ کر جہاں بخاری شریف پڑھائی جائے شرکت فرمالیا کریں تو اللہ تعالیٰ بہ برکت حدیث ہر قسم کی مصیبتوں اور مشکلات کو دفع کر دیں گے۔

حدیث کی اہمیت اور دعا یا اللہ! ہمارے ان بھائیوں کو، ان طلباء کو، ان علماء کو، ان اساتذہ کو، ان مدارس کو، دین و دنیا کی ترقی عطا فرما۔ یا اللہ سب کو کتاب اللہ کا اور حدیث کا علم عطا فرما۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اگر حدیث نہ ہوتی تو قرآن کو کوئی نہ سمجھتا۔ ٹھیک ہے۔ اب نماز کا قرآن میں حکم ہے کہ نماز پڑھو، اب معلوم نہیں کتنی رکعتیں ہیں؟ کس وقت پڑھیں؟ یہ تو حدیث نے ہمیں بتایا۔ قرآن میں ہے حج ادا کرو، لیکن یہ تو نہیں بتایا کہ طواف کیسا ہوتا ہے، سعی صفا اور مروہ کی کیسے ہوتی ہے۔ تو حدیث کی برکت سے قرآن سمجھ میں آتا ہے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں جو آئمہ کے اقوال ہیں، یہ حدیث کی شرح ہیں۔ اور حدیث شرح ہے قرآن شریف کی۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اور آپ کو کتاب اور حکمت کا، قرآن اور حدیث کا علم عطا فرمائے اور آپ سب حضرات جو یہ مساعی جمیلہ کر رہے ہیں ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ آپ کے تمام مقاصد پورے فرمائے۔ آپ خدا کی کتاب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب اور دین کی کتاب کی حفاظت کریں گے۔ وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

قسط ۱

از جناب ڈاکٹر محمد حنیف، صاحب پروفیسر شعبہ دینیات
اسلامیہ کالج پشاور

مسلمانانِ عرب کے تعمیری آثار
اور
ماہرین فنِ تعمیر کی آراء

اقوام عالم کے تمدن کا ایک بڑا مظہر ان کی تعمیر کردہ عمارات کے باقی ماندہ آثار ہیں جس میں تمدن و تہذیب کے تدریجی ارتقاء کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ تعمیری آثار اگر ایک طرف ان کے بانیوں کے ذوق شوق، عقائد و خیالات، عروج ترقی، اور عظمت وسطوت پر گواہی دیتے ہیں تو دوسری طرف، اس دور کے صناعوں، بناوٹ اور کاریگروں کی ذکاوت فہم، چابک دستی، اور کمالِ فن کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ یہ وہ بیش بہا تاریخی سرمایہ ہے جس کی روشنی میں مختلف اقوام کی مذہبی، معاشرتی اور سیاسی تاریخ مرتب ہو سکتی ہے۔ اور بقول ایس پی سکاٹ :

"وہ جستہ جستہ آثار، جو دشمنان اسلام، باہمی خانہ جنگیوں، اور جوشیلے متعصبوں کے تباہ کن ہاتھوں سے بچ کر ہم تک پہنچے ہیں، مجسم بیش قیمت تاریخیں ہیں[1]"

اسلامی فنون کی تاریخ ظہور اسلام سے لے کر اٹھارھویں صدی عیسوی تک محیط ہے۔ اور اس کا دھارا ہسپانیہ، شام، عراق، شمالی افریقہ اور مشرق قریب سے چل کر پاک و ہند تک آپہنچتا ہے۔ بعثتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حیاتِ انسانی کے کسی بھی شعبہ میں جب اہل اسلام کے کارناموں پر نظر ڈالی جاتی ہے تو ہر جگہ عرب قوم ہی سرِ فہرست نظر آتی ہے۔

اسلام کا آفتاب انہی کی سرزمین سے طلوع ہوا اور وہیں سے تمام عالم پر ضیا پاشی کرتا رہا۔ یہی لوگ اسلامی زندگی کے ہر میدان کے اولین شہسوار اور اس کے ہر اہم پہلو کے نقطہ آغاز ہیں۔ انہی کے غیر متزلزل ایمان، جذبہ ایثار، اور

---

[1] اخبار الاندلس (ہسٹری آف دی مورش امپائر کا اردو ترجمہ از منشی محمد خلیل الرحمن۔ جلد سوم مطبوعہ کواپریٹو پریس لاہور ۱۳۴۰ھ ص ۵۸۹

خلوصِ نیت اور انتھک جد و جہد کا نتیجہ ہے کہ اسلام بفضلِ خدا دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ کر عالمگیر مذہب کی حیثیت سے صفحۂ ہستی پر نمودار ہوا۔ انہوں نے نہ صرف میدانِ جنگ میں اپنا لوہا منوایا۔ بلکہ زمانۂ صلح و امن کے اس فن میں بھی جو نمونوں ان کی یادگار باقی رہنے والا تھا ٹھیک اسی طرح گوئے سبقت لے گئے جیسا کہ فوجی مہمات اور فتوحات میں۔[۱]

فنِ تعمیر کے باب میں ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے اہلِ عرب نے جس سرعت اور تیز رفتاری کا مظاہرہ کیا وہ انتہائی دلچسپ اور حیرت انگیز ہے تاریخ شاہد ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت (۶۱۰ء) کے وقت جزیرہ نمائے عرب میں کوئی ایسا نشان موجود نہ تھا جس کو تعمیر کا نام دیا جائے۔ اور کہیں بھی تعمیری خوبصورتی یا تعمیری شوکت کی کوئی مثال یا نشانی نہیں مل سکتی تھی۔ خود مشہور و معروف "خانہ کعبہ" بھی بلحاظ عمارت ایک سادہ سا مکان تھا۔[۲]

حرم مکہ ایک بلا چھت چار دیواری پر مشتمل تھا اس کی شکل مستطیل قسم کی تھی۔ دیواریں کھردرے پتھروں کی بنی ہوئی تھیں اور اونچائی قدِ آدم سے تھوڑی سی زیادہ تھی۔[۳]

۶۲۲ء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی سوا لِ مدینہ میں پہنچ کر قبا میں چند دن قیام کیا۔ اور یہاں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر فرمائی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی مسجد تھی۔ مدینہ تشریف لائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے ساتھ مل کر ایک مختصر اور سادہ مسجد تعمیر کی۔[۴] یہ مسجد مربع شکل پر بنائی گئی اور اس کا ہر ضلع سو ذراع لمبا تھا۔ بنیادیں اور احاطہ کی دیوار زمین سے ساڑھے چار فٹ پتھر کی تھیں۔ اس سطح سے اوپر دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں۔ اس کے ستون اور شہتیر کھجور کے تنوں کے تھے۔ اور چھت کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں سے بنا تھا۔[۵] قریب ہی نادار مسلمانوں کے قیام کے لئے ایک چبوترہ تعمیر فرمایا جو "صفہ" کے نام سے مشہور ہے اور تاریخ اسلام کی سب سے پہلی رہائشی درسگاہ تھی۔

مسجد کی تعمیر کے بعد آپؐ نے اپنی رہائش کے لئے جو مکان تعمیر کیا وہ بھی نقشہ کے لحاظ سے مربع اور اس کا ہر ضلع ۵ گز لمبا تھا۔ احاطہ کی دیوار کچی اور اونچائی تقریباً ۴ گز تھی۔ مشرقی دیوار کے ساتھ ازواجِ مطہرات کے لئے

۱۔ اخبار الاندلس ص ۵۹۰ ۔ ۲۔ اخبار الاندلس ص ۵۸۶، ۵۸۸ ملخصاً ماخوذ ہے۔

۳۔

۴۔ تاریخ اسلام از شاہ معین الدین احمد ندوی مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۳۹ء، حصہ اول ص ۳۰، ۳۱

۵۔ اسلامی فنِ تعمیر از ٹاڈ حیام رچنید (اردو ترجمہ از سید مبارز الدین) ص ۱۱، ۱۲۔ تاریخ اسلام از شاہ معین الدین حصہ ا۔ ص ۸۱، ۲

حجرے بنائے گئے اور جنوبی جانب ایک ڈیوڑھی تعمیر کی۔ اس مکان کے ستون بھی کھجور کی لکڑی کے تھے اور چھتیں بھی کھجور کی شاخوں اور پتّوں کی تھیں۔

دورِ خلافت راشدہ کے تعمیری آثار | ۱۱ھ ۶۳۲ء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۳ھ ۶۳۴ء) خلیفہ مقرر ہوتے۔ آپ نے اپنی خلافت کے ایام میں اسلام دشمن قوتوں کی حیثیت سے خوب مستحکم ہوا مگر تعمیرات کے میدان میں کوئی قابلِ ذکر کام نہیں ہوا۔

آپ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۲۳ھ ۶۴۴ء) خلیفہ ہوئے۔ آپ کے دور میں فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہوا۔ اسلام کی روز افزوں ترقی اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر آپ نے مسجد کے احترام اور اس کے تقدّس کی حفاظت کی خاطر ایک گوشہ میں علیحدہ ایک چبوترہ بنوا دیا۔ جسے بات چیت اور شعر گوئی کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔[1]

۱۸ھ ۶۳۹ء میں گورنر کوفہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے مسجد کوفہ کی تعمیر کی۔ اس کا نقشہ سادہ تھا مگر اس کے ستون سنگ مرمر کے تھے۔ یہ مسلمانوں کی ابتدائی فتوحات کے بعد پہلی مسجد ہے اور اس کا خاکہ مسلمانوں کے حاصل کردہ نئے وسائل کو ابتدائی طور پر کام لانے کی نشاندہی کرتا ہے۔[2]

۲۲ھ ۶۴۲ء میں مصر کے نامور فاتح حضرت عَمرو بن العاصؓ نے فسطاط میں ایک سیدھی سادی مسجد بنوائی وہ عالی شان مسجد جو اب جامع عَمرو کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے محل وقوع پر واقع ہے۔ مگر مسلسل تعمیر و ترمیم کی وجہ سے اصل مسجد کی کوئی چیز اس میں باقی نہیں رہی ہے۔[3]

حضرت عمرو بن العاصؓ نے پہلی مرتبہ مسجد میں منبر کا اضافہ کیا۔ مگر مذہب کے معاملہ میں محتاط حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ توڑ دینے کا حکم دیا۔[4] اصل مسجد میں کسی قسم کی تزئین و آرائش کا کام نہ تھا مگر جب مسلمہ بن مخلد نے ۶۴ھ ۶۸۳ء میں جامع عمرو کی توسیع کی۔ تو دیواروں پر آہک پاشی اور استرکاری کر کے مزیّن کیا۔[5]

۲۴ھ ۶۴۴ء میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ برسرِ اقتدار آئے۔ اس دور میں تعمیرات میں بڑا اضافہ ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق اس کی توسیع کرائی تھی۔ لیکن حضرت عثمانؓ (متوفی ۳۵ھ ۶۵۵ء) کے زمانہ میں جب یہ ناکافی ثابت ہوئی تو ۲۹ھ ۶۴۹ء میں آپ نے اس کی از سرِ نو تعمیر و توسیع کرائی۔ آپ نے اس کی مضبوطی اور تزئین پر خصوصی توجہ دی۔ بھاری عمارت میں منقش پتھروں اور چونے کا استعمال کیا گیا۔ ستون بھی منقش پتھروں کے

---

[1] تاریخ اسلام از شاہ معین الدین حصہ ا صـ ۲۰۷ [2] اسلامی فن تعمیر از ٹاڈ جیام صـ ۲۰ [3] ایضاً ۲۲-۲۳
[4] ایضاً صـ ۲۴ [5] ایضاً صـ ۲۵، ۲۶

بنائے گئے۔ سال کی چھت بنوائی[1] اور العقیق سے بجری منگوا کر ڈلوائی[2] تعمیرات کے باب میں آپ کا ایک روشن کارنامہ اور فنِ تعمیر کے باب میں ایک نئے باب کا آغاز ہے[3]

۳۵ھ ۶۵۵ء میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ ہوئے۔ آپ کا پورا دورِ خلافت خانہ جنگی اور سیاسی کشمکش میں بسر ہوا اس لئے تعمیری کاموں کے باب میں کوئی کام نہ ہو سکا[4]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا حقیقی مقصد روحانیت کی تباہ حال دنیا کو دوبارہ تعمیر کرنا اور قلوب و ارواح کے ویران گھروں کو از سرِ نو آباد کرنا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے کام ضمنی تھے اور صرف اس حد تک مذکورہ بالا مقصد کے حصول میں معاون اور قیام امن کے لئے ضروری تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلعم کے جانشینوں میں بھی نہ جاہ وجلال کی ہوس تھی اور نہ نام ونمود کی تمنا۔ فقط اسلام نے ان کی زندگی میں بلا کی سادگی پیدا کر دی تھی لباس۔ غذا اور مکان ہر چیز حسب ضرورت اور لبس۔ اگرچہ خلافت راشدہ میں فتوحات کی کثرت اور مال غنیمت کی فراوانی سے صحرائے عرب میں سونے چاندی کے دریا بہنے لگے تھے۔ اور قیصر وکسریٰ کے خزانے مدینہ کی گلی کوچوں میں کھنچ کھنچ کر آ گئے تھے۔ پھر بھی وہ اپنے عقیدے اور ایمان کی پاسبانی پر فخر کرتے رہے اور دنیا کو حقیر سمجھ کر اسے قصور ومحلات سے آراستہ کرنے کی طرف مطلق توجہ نہ دی[5]

جوں جوں زمانہ گذرتا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لوگ دور ہوتے گئے۔ جاں نثار صحابہ کم ہونے لگے۔ مال و دولت کی فراوانی اور مختلف اقوام کے اختلاط کے طبعی اثرات بھی نمودار ہونا شروع ہوئے۔ ۴۱ھ ۶۶۱ء میں بنو امیہ سریر آرائے مملکت ہوتے۔ دارالخلافہ مدینۃ النبیؐ سے دمشق منتقل ہوا۔ وہاں بڑے بڑے کلیسا اور عالیشان مندر موجود تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کے دلوں میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ وہ بھی اسلام کی غیر مرئی روح کے شکوہ کو مادی طور پر کسی مناسب حال پُر عظمت اور پُر وقار قالب میں ڈھال کر پیش کریں اور ایسی بڑی بڑی مسجدیں اور ایوانِ حکومت تعمیر کریں جو بازنطینی کلیساؤں اور خانقاہوں سے زیادہ شاندار ہوں۔ اموی خلفا اور امرا نے اس مقصد کے حصول کے لیے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ چنانچہ انہوں نے ایسی محیر العقول عمارات تعمیر کیں

---

[1] ابو داؤد باب فی بنا المسجد حدیث ۴ [2] تاریخ اسلام از شاہ معین الدین حصہ اول ص ۲۷۹ [3] فتوح البلدان از بلاذری (اردو ترجمہ از سید ابو الخیر مودودی) مطبوعہ انٹرنیشنل پریس کراچی ۱۹۶۲ء حصہ اول ص ۲۷ [4] تاریخ اسلام از شاہ معین الدین حصہ اول ص ۳۴۸

[5] ملاحظہ ہو اسلامی آرٹ اور فنِ تعمیر از آرنسٹ کوہنل (اردو ترجمہ از مولانا غلام طیب) مطبوعہ فیروز سنز لاہور ۱۹۶۱ء ص ۱۷ ایضاً از تاریخ اسلام شاہ معین الدین حصہ اول ص ۸۴

کہ دوست و دشمن دونوں دیکھ کر دادِ حسن دیئے بغیر نہ رہ سکے۔

اموی حکمرانوں کے چند تعمیری آثار حضرت امیر معاویہؓ کا عہد حکومت ۴۱ھ ۶۶۱ء تا ۶۰ھ ۶۸۰ء تھا۔ المغیرہ نے مسجد کوفہ تعمیر کی پھر زیاد نے اسے تڑواکر از سرِ نو اینٹ اور چونے کی ایک نہایت وسیع اور مستحکم مسجد تعمیر کی اور نہایت فراخدلی سے اس پر دولت صرف کی۔ زیاد خود کہتا تھا کہ

"میں نے مسجد کوفہ کے ہر ستون پر اٹھارہ سو درہم خرچ کیے ہیں"[1]

عبد الملک بن مروان کا دور ۷۴ھ ۶۹۳ء تا ۸۶ھ ۷۰۵ء آیا تو اس نے مسجد عمرؓ[2] کی از سرِ نو تعمیر کی۔ یہ مسجد اسی مقام پر تعمیر کی گئی جہاں مشہور ہیکل سلیمانی تھی[3]

پہلی صلیبی جنگ میں جس وقت نصرانی بیت المقدس میں داخل ہوئے تو یہی ایک عمارت تھی جس نے انہیں حیرت میں ڈال دیا تھا۔ ان کے خیال میں یہ ہیکل سلیمانی کا بقیہ تھا اس کی شہرت یورپ میں اس قدر ہوئی کہ بہت سے گرجے اس کی وضع پر تعمیر کیے گئے[4] اس کی عظمت اور شہرت محض ایک تاریخی یادگار کی حیثیت سے نہیں بلکہ یہ ایک اعلیٰ درجہ کی عمارت ہے جو کہ فلسطین کی کل عمارات میں سر برآوردہ ہے۔ اس کے جاہ و جلال کا یہ حال تھا کہ جس وقت ٹیٹس[5] اس عمارت کو جل جانے سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا خود وہ بھی ایک لمحہ کے لیے دیکھ کر حیرت میں آگیا تھا[6]

اس مسجد کا رقبہ بیت المقدس کے برابر ہے یہ ایک مربع چبوترے پر تعمیر ہوئی ہے۔ جو سطح حرم سے سوا تین گز بلند ہے۔ چبوترے تک پہنچنے کے لیے کئی زینے بنے ہوئے ہیں اور ان کے اوپر نوکدار محرابیں نہایت خوبصورت سنگ مرمر کے ستونوں پر رکھی ہوئی ہیں[5]

مسجد کے اندر کی دیواروں پر کیسی قدیک استرکاری اور اس کے اوپر چینی کی مینا کار تختیوں کی پچی کاری کی گئی ہے جن میں انواع و اقسام کے جاذبِ نظر اور دلکش گل بوٹے دکھائے گئے ہیں۔ اس عمارت پر جب آفتاب کی شعاعیں پڑتی ہیں

---

[1] فتوح البلدان۔ اردو ترجمہ از ابو الخیر مودودی۔ ذکر تعمیر الکوفہ ص ۲۹۵۔ [2] ۲۳ھ ۶۴۴ء میں بمقام بیت المقدس خلیفہ عمرؓ نے جس مسجد کے بنانے کا حال بیان کیا جاتا ہے اس مسجد کے اب کوئی آثار باقی نہیں ہے۔ (اسلامی فن تعمیر از ڈاکٹر خیام رچمنڈ۔ اردو ترجمہ از مبارز الدین ص ۳۰۔ لیبان لکھتا ہے کہ اس عمارت کو مسجد عمرؓ کہنا اہل یورپ کی غلطی ہے کیونکہ فی الواقعہ نہ یہ عمارت مسجد ہے اور نہ اس کو حضرت عمرؓ نے تعمیر کیا۔ خلیفہ عمرؓ بہت تھوڑے دنوں تک بیت المقدس رہے اور انہوں نے صرف تعمیر کا مقام بتایا تھا۔ یہ عمارت ۷۲ھ ۶۹۱ء میں تعمیر ہوئی۔ جو حضرت عمرؓ کے بعد کا زمانہ ہے (تمدن عرب ص ۱۵۴۔ عربوں کا فن تعمیر ص ۴۱) [3] عربوں کا فن تعمیر از ڈاکٹر سید علی بلگرامی مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور ۱۹۱۰ء ص ۳۹۔ [4] تمدن عرب ص ۱۵۳ [5] ٹیٹس روم کا دسواں شہنشاہ تھا۔ اس کے دور میں بیت المقدس فتح اور برباد کیا گیا (تمدن عرب ص ۱۵۳) [6] تمدن عرب ۱۵۳ [5] عربوں کا فن تعمیر از ڈاکٹر سید علی بلگرامی ص ۴۰

تو یہ تختیاں جواہرات کی طرح چمکنے لگتیں۔ اور ایک عجیب و غریب کیفیت پیدا ہوتی۔ یورپ کی سادی اور دھندلی دیواروں میں ہرگز یہ رنگ آمیزی اور چمک نظر نہیں آتی جیسی کہ اس مسجد کی دیوار میں ہے۔ درحقیقت مجموعی اثر اس کا ایک خواب و خیال کی کیفیت دیتا ہے۔ لیکن اگر سچ پوچھا جائے تو مسجد کی خوبی اور نزاکت خواب و خیال سے بھی مافوق ہے[1]

۴۱۳ھ ۱۰۲۲ء میں جو عربوں کی صنعت کا اعلیٰ ترین زمانہ ہے اس مسجد کے گنبد کی دوبارہ تعمیر ہوئی۔ اس کے حسن و جمال اور کمال فن کا بیان کرتے ہوئے لیبان لکھتا ہے۔

اس کی مختلف الاقسام رنگ آمیزیاں۔ رنگین پتھروں کی پچی کاریاں اور پیچ دار گل کاریاں ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو کر آنکھوں کے سامنے عجیب سماں پیش کرتی ہیں۔ اس کی کھڑکیوں میں رنگین شیشے لگے ہوئے ہیں جن سے روشنی کی کمی بیشی کا مجموعی لطف اس سے بہت زیادہ ہے جو یورپی کلیساؤں میں حاصل ہوتا ہے[2]

مسجد عمر کے احاطہ میں مسجد اقصیٰ بھی ہے جو مسجد عمر سے قدامت میں کم نہیں۔ یہ اصل میں ایک کلیسا تھا۔ عرب مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اسے مسجد بنا لیا۔ یہ مسجد زلزلہ سے ایک بار منہدم ہو گئی تھی اور ۱۶۹ھ ۷۸۵ء میں دوبارہ تعمیر کی گئی۔ مختلف اوقات میں اس میں ایسے تغیر و تبدل ہوتے رہے جس میں روز بروز اس میں عربی طرز عمارت کا رنگ جلوہ دینے لگا۔ ۵۸۳ھ ۱۱۸۷ء میں صلاح الدین نے پھر اس کی تجدید کی۔ اس مسجد کی محراب نہایت خوبصورت ہے جس میں پتھروں کی پچی کاری کی گئی ہے۔ اور ۵۸۳ھ ۱۱۸۷ء میں صلاح الدین نے بنوائی تھی[3]

عبدالملک کے بعد ولید کا دور (۸۹ھ ۷۰۵ء تا ۹۶ھ ۷۱۴ء) آیا۔ وہ شاندار عمارات کے بنوانے کا دلدادہ تھا اس کے ذوقِ تعمیر کے باعث یہ مذاق اتنا عام ہو گیا کہ محافل و مجالس میں عمارات ہی پہ گفتگو ہوتی تھی[4] اس نے دمشق کو دلہن کی طرح سجا کر سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنایا۔ مسجد نبوی میں توسیع کی گئی۔ حسن و جمال میں اضافہ کی خاطر روم اور مدائن سے نقش و نگار کا سامان منگایا گیا۔ قیصر روم نے اس موقعہ پر ایک لاکھ مثقال سونا اور تزئین کا سامان بھیجا۔ اس پر جس فراخ دلی کے ساتھ دولت صرف ہوئی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف قبلہ رخ دیوار کی تعمیر اور اس کے طلائی کام پر پینتالیس ہزار اشرفی خرچ آیا تھا[4]

اس دور کا دوسرا اندریں کارنامہ جامع دمشق یا جامع اموی کی تعمیر ہے۔ اس میں بیس ہزار آدمی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں اور دنیائے اسلام کی مشہور ترین مساجد میں شمار ہوتی ہے[5]

---

[1] تمدن عرب صہ ۵۵ [2] ایضاً صہ ۵۹ [3] عربوں کا فن تعمیر از ڈاکٹر سید علی بلگرامی صہ ۴۵، ۴۹

[4] التاریخ الاسلامی والحضارۃ الاسلامیہ از ڈاکٹر احمد شبلی طبع مصر ۲ ۶ [5] تاریخ اسلام از شاہ معین الدین حصہ دوم

[6] مسلمانوں کے فنون از ایم ایس ڈیمنڈ۔ اردو ترجمہ از شیخ عنایت اللہ لاہور ۱۹۶۴ء صہ ۱۵۹

س کو ولید نے صرفِ کثیر سے بنوایا۔ ہندوستان، روم اور فارس وغیرہ سے تزئین کا سامان لایا گیا۔ کہتے ہیں کہ صرف جزیرہ
برص سے سونے چاندی سے لدے ہوئے اٹھارہ جہاز آئے تھے[1]

تعمیر کے دوران روزانہ بارہ ہزار کاریگر اور مزدور کام کرتے تھے اس کے باوجود یہ مسجد ۹ برس کی مدت میں پایۂ تکمیل
کو پہنچی۔ اس کی دیواروں اور دروازوں پر طلائی اور لاجوردی کا کام ہوا تھا۔ اور رنگ برنگ بیل بوٹے تراش کر
انتہائی نفاست کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس کی چھت ساج کی اور اوپر منقش سیسہ کی چادر چڑھی ہوئی تھی۔ چھت سے
سونے چاندی کی زنجیروں میں قندیلیں آویزاں نظر آتی تھیں۔ اور اندرونی و بیرونی چمک دیکھ کر انسان کی عقل دنگ رہ جاتی[2]۔
یہ مسجد عجائبات دنیا میں سے ایک ہے اور ولید کی عظمت و شوکت پر زبانِ حال سے گویا ہے[3] دور دراز ممالک سے سیاح
آنے تو اس کی شان و سطوت دیکھ کر ان پر اہلِ اسلام ملی شکوہ کی دھاک بیٹھ جاتی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب مسندِ خلافت پر بیٹھے تو جامع دمشق کی زیب و زینت کا فاضل سامان اور سونا چاندی
اتار کر رفاہی کاموں میں لانا چاہا۔ مگر اتفاق سے ان دنوں روم سے قاصد آئے ہوئے تھے انہوں نے جامع دمشق کو دیکھ کر کہا۔
"ہم سمجھتے تھے مسلمانوں کا عروج چند روزہ ہے لیکن اس عمارت کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ مسلمان ایک زندہ رہنے والی قوم
ہے۔" یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔[4]

کیونکہ آپ نے محسوس کیا کہ اگر اس کی شان اغیار کے لئے اس قدر ہیبت انگیز ہے تو اسے اپنے حال پر رہنے دیا جائے۔

اموی دور میں تعمیر عمارات کا اتنا چرچا تھا کہ امرائے سلطنت بھی اس باب میں بے حد دلچسپی لینے لگے تھے۔ خلیفہ
ہشام (متوفی ۱۲۵ھ ۷۴۳ء) والیٔ مصر حر بن یوسف نے مصر میں ایک محل تعمیر کرایا جو نقش و نگار سے مزین تھا جس کی
وجہ سے اس کا نام ہی "منقوشہ" پڑ گیا۔

۹۴ھ ۷۱۲ء سے ۱۰۱ھ ۷۱۹ء تک کی مدت میں ولید اول کے نوعمر جنرل طارق بن زیاد اور اس کے گورنر موسیٰ بن نصیر
کی فتوحات نے اندلس کو مملکت اسلامیہ کا ایک صوبہ بنا دیا۔ اور تقریباً سات سو برس تک مسلمان اس ملک کے سیاہ
سپید کے مالک رہے۔ اندلس کا مشہور شہر قرطبہ ہے۔ لین پول ایک عرب مصنف کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ:۔

"قرطبہ بلادِ اندلس میں بمنزلہ عروس کے ہے۔ دنیا بھر کی مذاقِ چشم اور نظر فریب خوبصورتیاں اس میں موجود ہیں
اس کے نامور سلاطین کا دراز سلسلہ گویا اس کا زرین تاج ہے۔ وہ بے بہا گوہر جو اس کے نازک خیال شاعروں نے
بحرِ معانی سے جمع کر کے سلکِ نظم میں منسلک کئے ہیں اس کی مالا بناتے ہیں۔ اس کی قیمتی پوشاک وہ درفش

---

[1] تاریخ اسلام از شاہ معین الدین حصہ ۲ صہ ۱۶۸ [2] ایضاً حصہ دوم صہ ۱۶۸۔ مسلمانوں کے فنون صہ ۱۵۹
[3] التاریخ الاسلامی والحضارۃ الاسلامیہ صہ ۶۹ [4] تاریخ اسلام از شاہ معین الدین حصہ دوم بحوالہ کتاب البلدان صہ ۱۰۶

علوم ہیں جو اس کے متبحر عالموں کے سوزنِ قلم کے نتائج ہیں اور جمیع اربابِ صنعت اس کی پوشاک کے حاشیے اور سنجاف ہیں۔"[1]

۱۳۲ھ ۷۵۰ء میں بنو امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور بنو عباس برسرِ اقتدار آئے۔ ۱۳۹ھ ۷۵۹ء میں ہشام بن عبدالملک کے پوتے عبدالرحمٰن الداخل نے اندلس میں اپنی آزاد حکومت قائم کی۔ عبدالرحمٰن نے اس طرز پر ولید بن عبدالملک نے مسجد نبوی کی تعمیر کی تھی اور مسجد قرطبہ کی بھی تعمیر کی۔ خلیفہ منصور کے عہد ۳۹۱ھ ۹۷۷ء تا ۱۰۰۱ء تک جتنے حکمران برسرِ اقتدار آئے ان میں سے ہر ایک نے اس کی توسیع و تزئین میں کما حقہ کردار ادا کیا۔ اس طرح تقریباً دو سو برس میں اس کی تکمیل ہوئی۔ اس لحاظ سے یہ مسجد گویا مسلمانانِ اندلس کی کتابِ تعمیرات کی تدریجی ترقیات کا ایک خلاصہ اور اسلامی عظمت و سطوت کا ایک دلنواز نقش ہے۔

مسجد قرطبہ اتنی وسیع اور خوبصورت ہے کہ دنیا میں شاید ہی کوئی مسجد حسن و جمال، فنِ تعمیر کی خوبی اور وسعت میں اس کی ہمسری کر سکے۔ اس کی عمارت ایک ہزار دو سو ترانوے ستونوں پر قائم تھی۔ جب صلیبیوں نے اسے کلیسا میں تبدیل کرنا چاہا تو مسجد کے وسط سے ایک سو تریسٹھ ستونوں کو زائل کر دیا۔[3] ہزاروں تیل کی قندیلوں سے مسجد میں روشنی کا اہتمام کیا گیا تھا جن میں سے ایک عجیب و غریب جھاڑ ہزاروں قندیلوں پر مشتمل تھا۔ اور اتنا حسین و جمیل کہ انسان اس کی تعریف کرنے سے قاصر ہے۔[4] اس کی پر تکلف آرائش اور اس کا دلربا انداز کسی قدیم یا جدید عمارت میں نہیں پایا جاتا۔[5] پوری عمارت میں نظم، حسن، فنی مہارت اور پرکاری کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ دیکھ کر انسان پر دہشت طاری ہو جاتی ہے۔[6]

لین پول مزید لکھتا ہے:۔

۱۶۸ھ ۷۸۴ء میں عبدالرحمٰن نے اس کی بنا رکھی مگر ناتمام رہی۔ ہشام نے ۱۷۷ھ ۷۹۳ء میں اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اس کے بعد ہر نئے سلطان نے اپنے نام سے کچھ نہ کچھ نئی عمارت سے اس میں اضافہ کر کے مسجد کو آخر کار مسلمانوں کے ابتدائی کمالات کی ایک مثال بنا دیا۔

چنانچہ اس کے اکیس دروازے پیتل کے منقش و مشجر لباس پہنے نمازیوں کا ابھی تک انتظار کر رہے ہیں۔ اور بارہ سو ترانوے مطلا ستون مسجد کی مقدس چھت کو معتقدانہ ادب سے اپنے سروں پر لئے کھڑے ہیں۔ خاص درجہ میں

---

[1] مورس ان سپین از سٹینلے لین پول (اردو ترجمہ از حامد علی صدیقی) مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی صہ ۱۷۹

[2] رحلۃ الاندلس از محمد لبیب البتنونی الطبعۃ الثانیہ مطبوعہ مصر صہ ۴۷ [3] نفح الطیب از علامہ مقوی مطبوعہ مصر ج ۱ صہ ۵۰

[4] نفح الطیب ج ۱ صہ ۳۴۲ [5] تمدن عرب صہ ۳۴۹ [6] رحلۃ الاندلس از محمد لبیب البتنونی صہ ۴۸

ری کا فرش تھا۔ جا بجا خوشنما پچیکاری کی گئی تھی۔ اس کے ستونوں پر قسم قسم کے خوبصورت نقش و نگار سونے اور نیلم
ے گل کاری کی گئی تھی۔ خاص منبر جس پر خطیب خطبہ دیتا تھا ہاتھی دانت اور ایک خاص قسم کی قیمتی لکڑی کی چھتیس ہزار
ڑوں سے بنایا گیا تھا جو الگ کٹے جا سکتے تھے اور ان میں سے اکثر بیش بہا پتھروں سے جڑاؤ تھے۔ سونے کی کیلوں
پتروں سے جڑے ہوئے تھے۔ صحن مسجد میں چار وسیع اور خوشنما حوض ہر وقت پانی سے لبریز رہتے تھے۔ تین سو
ی صرف اس کام پر مامور تھے کہ اگر کی بتیاں۔ عود و عنبر انگیٹھی میں روشن کر کے ان کے بخورات سے لالٹینوں
لئے جن میں دس ہزار بتیاں روزانہ روشن ہوتی تھیں خوشبودار تیل بنائیں گو زمانہ کی رگڑ نے اس عجیب مسجد
شان و شوکت کو تیرہ کر دیا ہے مگر پھر بھی جو کچھ باقی ہے وہ سیاحوں کی نظروں کو خیرہ کرتا ہے۔ اس حالت میں بھی
ب کبھی کوئی سیاح اس کے ستونوں کے بیچ میں کھڑے ہو کر کسی ہیبت ناک بن کے خود رو درختوں کی طرح ان کو چاروں
ف حد بصر تک پرے باندھے دیکھتا ہے تو حیرت و استعجاب سے غو رنقش دیوار ہو جاتا ہے [1]
غرضیکہ اس خانہ خدا کی دلفریب فضا۔ عالی شان عمارت اور رفعت ہر شوقین سیاح سے بحسرت اس بات کا تقاضا
ہی ہے کہ چند قطرے آنسوؤں کے اس پر بہائے۔ کیا وہ مبارک زمانہ واپس آسکتا ہے۔ کیا خلیفہ اعظم جس نے
ہ کو ترقی کا زیور پہنا کر اندلس کا عروس البلاد بنا دیا تھا۔ پھر زندہ ہو سکتا ہے مگر

مسافر نہ رسیدے از عدم کنز و پرسم
کہ پیر چرخ کجا برد نو جوانم را [2]

کسی قوم کی ذکاوت اس سرعت اور مستعدی سے معلوم ہوتی ہے جس سے وہ اس مسالہ کو جو اس کے ہاتھ آیا ہے
ل کر کے اپنے خیال اور اپنی ضرورتوں کے مطابق بنا لیتی اور ایک نئی صنعت ایجاد کر لیتی ہے۔ اس کام میں مسلمانان
ہ پر کوئی سبقت حاصل نہ کر سکا۔ ان کی فطری قوت اختراع ان کی عمارات سے ظاہر ہے۔ اور اس کی ایک قابلِ ذکر
ل مسجد قرطبہ ہے [3]

ایس پی سکاٹ کا بیان ہے کہ
اس (مسجد قرطبہ) کے مینار کا شاندار تناسب اور اس کے لاثانی پرزیب نقش و نگار مسلمانان اندلس کے لئے باعث
مباہات ہیں [4]

ارنسٹ ٹامڈ جیام رچمنڈ لکھتا ہے کہ:-

---

[1] مسلمان اندلس میں۔ از سٹینلے لین پول۔ اردو ترجمہ از حامد علی صدیقی۔ مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی ص ۱۸۳۔ ۱۸۵ سے ملخصاً
[3] تمدن عرب (عمارات اندلس) ص ۲۶۱، ۲۶۲
اخبار الاندلس ص ۵۹۸

قابل دستیاب مسالے کے اس کو تعمیر میں استعمال کرنے کے مسئلہ کا اس (مسجد قرطبہ) سے بدیع اور اس سے زیادہ حیرت انگیز حل سوچنا ممکن ہی نہیں ہے[1]

علامہ اقبال مرحوم ۱۹۳۲ء میں مسجد قرطبہ دیکھنے گئے تھے۔ وہاں سے اپنے فرزند جاوید اقبال کے نام ایک خط میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ :-

"میں خدا کا شکر گذار ہوں کہ اس مسجد کو دیکھنے کے لئے زندہ رہا۔ یہ مسجد تمام دنیا کی مساجد سے بہتر ہے خدا کرے تم جوان ہو کر اس عمارت کے انوار سے اپنی آنکھیں روشن کرو۔"

۳۱۷ھ ۹۲۹ء میں عبدالرحمٰن سوم (الملقب بہ الناصر الدین اللہ) مسند حکومت پہ متمکن ہوئے اس نے ۳۲۵ھ ۹۳۷ء میں اپنی ایک خوب رو کنیز "الزہرا" کی فرمائش پہ شہر قرطبہ کے قریب جبل العروس پہ ایک محل کی بنیاد ڈالی جس کا نام "قصر الزہرا" رکھا[2] یہ قصر اتنا وسیع و عریض تھا کہ رفتہ رفتہ "مدینۃ الزہرا" کے نام سے پکارا جانے لگا صرف اس کی چار دیواری میں پندرہ ہزار خوبصورت بلند و بالا دروازے لگے ہوئے تھے[3] قصر کے اندر چار ہزار تین سو ستون قیمتی سنگ مرمر کے نہایت عمدہ تراشے ہوئے نصب تھے[4]

دورانِ تعمیر روزانہ دس ہزار مزدور و معمار اور ایک ہزار پانچ سو بار بردار کام میں مصروف رہتے تھے۔ اس کے باوجود پچیس برس میں اس کی تکمیل ہوئی[5] جب قصر مکمل ہو گیا تو بادشاہ اپنی چہیتی کنیز "الزہرا" کے ہمراہ اس میں داخل ہوا سیاہ جبل العروس کی آغوش میں یہ خوبصورت محل دیکھ کر زہرہ کہنے لگی کہ

"یہ محل مانند ایک سیمیں بدن ماہ جبین ہے جو ایک سیاہ فام سیاہ چشم حبشی کے پہلو میں آرام کر رہی ہو۔"

کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن زہرہ کی یہ لطیف طنز سمجھ گیا۔ لہٰذا سبزہ آور درخت اگا کر پہاڑ کا رنگ بدل دینے کا حکم دیا[6] لہٰذا اس حکم کی تعمیل ہوئی جس سے اس کی رونق میں اور اضافہ ہوا۔ اور یہ قصر عجیب بہار دکھانے لگا۔

قصر زہرہ کے وسط میں ایک فوارہ لگا ہوا تھا جو سنگ سماق کا بنا ہوا تھا اس میں ہر وقت پارہ بھرا رہتا تھا اور ایک خاص اختراع کے ذریعہ اس میں آفتاب کی شعاعیں نہایت لطف کے ساتھ منعکس ہوتی تھیں[7] جب قصر کے دروازے کھلتے اور سورج کی شعاعیں شیشوں سے ٹکراتیں تو دیواروں کی چمک دمک سے آنکھیں خیرہ ہو جاتیں اس دوران اگر کہیں پارہ ہل جاتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا سارا محل جنبش میں آ گیا ہے۔ جو لوگ اس سے ناواقف ہوتے وہ یہ سماں دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتے۔

---

[1] اسلامی فن تعمیر ص ۱۰۳، ۱۰۴ [2] نفح الطیب ج ۱ ص ۲۴۵۔ رحلۃ الاندلس ص ۱۴۴ [3] نفح الطیب ج ۱ ص ۲۴۵، ۲۴۶ [4] تمدن عرب [5] نفح الطیب ج ۱ ص ۲۴۵ تا ۲۵۰ [6] ایضاً ص ۲۴۹ [7] تمدن عرب ص ۳۵۰، ۳۵۱

علامہ مقری ابن حیان کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ :-

الناصر اہلِ مجلس میں سے جب کسی کو خوف زدہ کرنا چاہتا تو خدام میں سے کسی کو پارہ کو حرکت دینے کے لئے اشارہ کرتا جب وہ پارہ کو حرکت دیتا تو محل میں بجلی کی سی چمک پیدا ہو جاتی۔ اور اہلِ محفل اس خیال سے کہ گویا محل ان کو لے کر ہوا میں اڑا چاہتا ہے بہت خوفزدہ ہو جاتے۔

یہ قصر دنیا کی عجیب ترین عمارات میں سے تھا اور اس کا نقشہ اس سے پہلے شاید ہی کسی کے ذہن میں آیا ہو[1]

لین پول ایک عرب مصنف کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ :-

خلاصہ یہ کہ جس نے ایک دفعہ اس خوشنما شہر (مدینۃ الزہرہ) اور اس کے قصر زہرہ کو دیکھ لیا وہ خود تصدیق کر سکتا ہے کہ آج اسلامی دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ بعید الوطن سیاح، اولوالعزم شہزادے، سفیر، تاجر، حجاج، فقہاء، شعراء تمام اعلیٰ و ادنیٰ درجہ کے پیشہ ور اور ہر مذہب کے لوگ اس بات پر متفق تھے کہ ہم نے اثنائے سیاحت میں کوئی ایسا عجیب خوشنما شہر یا عمارت نہیں دیکھی جس کو مدینۃ الزہرا اور قصر زہرہ سے ذرہ برابر بھی مناسبت ہو سکے۔ اس کے سرسبز باغات صاف و شفاف سنگ مرمر کے بالا خانے۔ ان میں وسیع اور سراپا مطلا کمرے۔ قبہ دار اور مسند پر نشست گاہیں جن میں ہر قسم کی صناعی کمال کو پہنچ گئی ہے۔ اس کی اعلیٰ درجہ کی ساخت اور تجویز مکانات کی مناسبت و ترتیب، اس کے رنگ برنگ خوشنما پردے، اس کی بیش بہا آرائشوں کی زیبا رنگی۔ اس کی طلائے خالص اور سفید سنگ مرمر کے لوازمات آرائش و زیبائش اس کے بوقلمون ستون جن کی مناسبت و وضع اور صفائی دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا گویا خراد پر اترے ہیں۔ رنگ سازی کی اعلیٰ درجہ کی کاریگریاں، جنہوں نے تمام در و دیوار کو الوان رنگا رنگ سے ایک دلفریب قدرتی منظر بنا دیا تھا۔ اس کی پاکیزہ جھیل جو نہایت عمدگی سے پورے پتھر سے تراش کر بنائی گئی تھی، خوبصورت آبدان جو ہر وقت صاف و شفاف پانی سے بھرا رہتا تھا۔ اور خوشنما حوض جس میں جابجا جانوروں کے زندہ معلوم ہونے والی مورتیں گویا سطح آب پر تیرتی تھیں۔ یہ سب اس قسم کے عجائب و غرائب ہیں کہ انسانی خیال و عقل میں بمشکل آ سکتے ہیں۔

" الحمد للہ تعالیٰ و شکراً علیٰ احسانہ و نعمائہ " کہ اس نے اپنی کمترین مخلوقات کو ایسے نادر طلسم خانوں کی تجویز و تعمیر کا حوصلہ دیا۔ اور ان میں آباد ہونے کی اجازت دے کر اس " دارالعمل " ہی کو ان کے لئے " دارالجزا " بنا دیا۔ تاکہ یہ خیال مومنین کو ہر وقت صراط مستقیم پر ثابت قدم کرتا رہے۔ کہ موجودہ عیش و سرور ہر چند فرحت افزا ہیں مگر ان ہمیشہ قائم رہنے والی خوشیوں سے ذرہ برابر بھی مناسبت نہیں رکھتے جو بہشت جاودانی میں سچے ایمان والوں کا انتظار کر رہی ہے[2]

" قصر الزہرہ " کی تکمیل کے بعد " مسجد زہرہ " کی تعمیر ہوئی۔ اس کا فرش سنگ سرخ کا تھا۔ یہ نہایت عظیم الشان اور

---

[1] نفح الطیب ج ا ص ۳۷ [2] مسلمانان اندلس۔ از سٹینلے لین پول، اردو ترجمہ ص ۱۸۷، ۱۸۸

باقی آئندہ
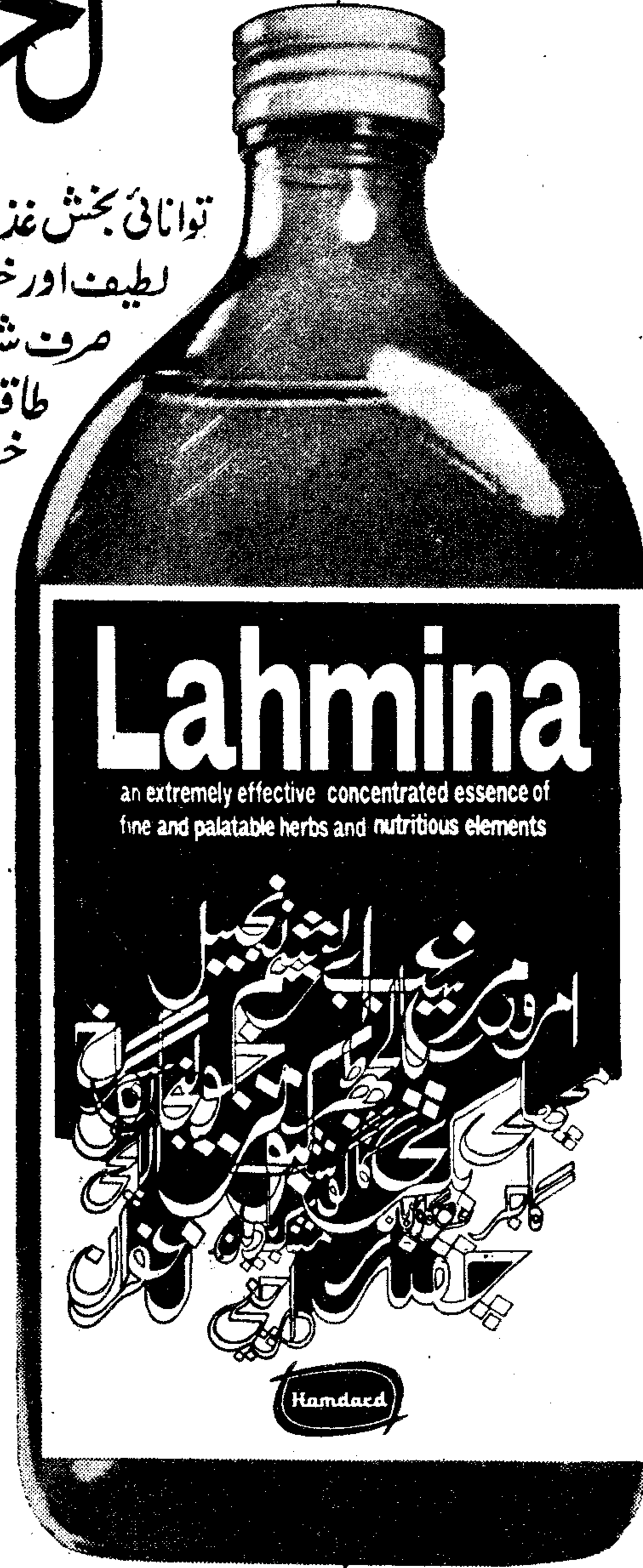
مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی

تجرید اور تاکید کا بلیغ ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ہاں!

قرآن حکیم میں ایک فعل کے بعد اسی کا ہم معنی لفظ حال کے لئے لایا جاتا ہے۔
بعض مفسرین اسے حال مؤکدہ قرار دیتے ہیں جس سے مفہوم فعل کی تاکید مقصود ہوتی ہے۔
اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن کلام کے لئے فواصل میں سجع کی رعایت دے کر ترجمہ کرتے ہیں۔

۱۔ بقرہ میں یہود کو خطاب کر کے فرمایا۔
وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (۶۰)
عَثَا يَعْثُو عُثُوًّا يا عَثَا وعَثِيَ عُثِيًّا واوی اور یائی دونوں بابوں سے یہ لفظ آتا ہے اس کے معنی حد سے زیادہ فساد و تباہی برپا کرتے آتے ہیں۔
شاہ صاحب صنعت تجرید پر عمل کر کے اس طرح ترجمہ کرتے ہیں۔
"اور نہ پھرو ملک میں فساد مچاتے"

تجرید کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فعل کو اس کے مفہوم سے مجرد اور خالی کر دیتے ہیں جیسا کہ شاہ صاحب نے لاتعثوا کا ترجمہ صرف "نہ پھرو" کیا ہے۔

عربی زبان کے اصول بلاغت کے تحت قرآن کریم میں فواصل میں سجع کی رعایت سے حال کا صیغہ لایا گیا ہے۔
شاہ صاحب نے اردو زبان کے اصولِ بلاغت کا لحاظ کیا اور ترجمہ کو تکرار سے بچانے کے لئے تجرید پر عمل کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب کو فارسی میں ترجمہ کرنا تھا اس لئے شاہ صاحب نے فارسی ترجمہ میں عربی تاکید کا ترجمہ برقرار رکھا اور اس طرح ترجمہ کیا۔
" و فساد مکنید در زمین تباہی کناں"
یعنی زمین میں فساد نہ کرو اس حال میں کہ تم تباہی پھیلانے والے ہو۔

شاہ عبدالقادر صاحب کے نزدیک مفسدین کا لفظ فواصل میں رعایت سجع کے لئے بطور حسن کلام لایا گیا ہے۔ کیونکہ اوپر محسنین۔ یفسقون۔ اور آگے یعتدون اور یحزنون کے صیغے لائے گئے ہیں۔

میر سید شریف جرجانی نے بھی تجرید کے مطابق اس طرح ترجمہ کیا ہے۔

"مروید در زمین بفساد"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ فارسی ترجمہ میں بھی تکرار کو میر سید شریف نے بلاغت کے خلاف سمجھا۔

سید صاحب عربی لغت اور عربی گریمر (علم صرف ونحو) کے مشہور امام ہیں اور علم بیان ومعانی کے امام علامہ تفتازانی کے معاصر ہیں اور ایک علمی مسئلہ میں بحث ومباحثہ کے اندر علامہ نے میر سید صاحب سے شکست کھائی ہے۔

یہ دونوں حضرات تیمور لنگ کے عہد میں ہوئے ہیں۔ اردو کے دونوں اول مترجم شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب نے اسی وجہ سے میر سید صاحب کے ترجمہ کو ترجیح دی ہے اور تجرید کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ شاہ رفیع الدین صاحب نے "مت پھرو" ترجمہ کیا ہے۔

ان کے علاوہ اردو مترجمین کی اکثریت شاہ عبدالقادر صاحب کے ساتھ گئی ہے۔ دیکھئے

"اور حد اعتدال سے نہ نکلو فساد کرتے ہوئے زمین میں" (تھانوی صاحب)

"اور ملک میں فساد نہ پھیلاتے پھرو" (ڈپٹی صاحب)

"اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو" (مودودی صاحب)

یہ فقرہ قرآن کریم میں پانچ جگہ آیا ہے۔ ایک بقرہ میں جو اوپر گذرا۔ اس کے چار مقام حسب ذیل ہیں۔

۲۔ اعراف میں قوم ثمود کو خطاب کیا۔

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (۷۴) اور مت مچاتے پھرو زمین میں فساد

یہ شاہ عبدالقادر صاحب کا ہے الفاظ وہی ہیں صرف اسلوب بدل دیا ہے۔

اس جگہ شاہ ولی اللہ صاحب نے تو تاکید کی پابندی میں "تباہی مکنید" ترجمہ کیا ہے۔ باقی تمام حضرات نے تجرید پر عمل کیا ہے۔

اس کے بعد یہ فقرہ قوم شعیبؑ کے لئے آیا ہے اور یہاں شاہ عبدالقادر صاحب کے الفاظ یہ ہیں:-

۳- "اور نہ مچاؤ زمین میں خرابی" (۸۵)

شاہ صاحب نے ترجمہ میں تنوع پیدا کر دیا۔ باقی حضرات میں سید شریف اور شاہ ولی اللہؒ اس جگہ تاکیدی ترجمہ پر اتفاق کرتے نظر آرہے ہیں۔ شاہ رفیع الدین صاحب کو اس جگہ بھی اپنے والد سے اختلاف ہے اور اپنے چھوٹے

بھائی سے اتفاق ہے۔

اس کے بعد یہ جملہ سورۃ شعراء میں قوم شعیب کے لئے پھر آیا ہے۔ یہاں شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ میں تنوع پیدا کیا ہے۔ اور نئے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

۴- "اور مت دوڑو ملک میں خرابی ڈالتے۔" (۱۸۳)

شاہ ولی اللہ صاحب نے تاکیدی ترجمہ کرتے ہوئے ایک نیا لفظ دیا ہے۔

"و بے باک مگردید در زمین فساد کناں۔"

شیخ کے الفاظ یہ ہیں۔

"و تباہی مجوئید در زمین درحالیکہ قصد فساد دارید"

اس کے بعد سورۃ عنکبوت میں بھی قوم شعیبؑ کو پھر خطاب کر کے یہ نصیحت کی گئی ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس جگہ بھی نیا انداز اختیار کیا ہے۔

۵- "اور مت پھرو زمین میں خرابی مچاتے۔" (۳۶)

اس آیت میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنا اسلوب چھوڑنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ اور تجرید پر مل کرتے ہیں۔

"مگردید در زمین فساد کناں۔"

ان تمام مقامات میں کلام کا سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ مفسدین کا لفظ فواصل میں سجع کی رعایت کے ے لایا گیا ہے۔ ورنہ "عثی" کے مفہوم میں جو شدت فساد موجود ہے۔ اس کے بعد کسی تاکیدی لفظ کے لانے کی ضرورت نہ تھی یہ صرف حسنِ کلام اور شوکت عبارت کے لئے لایا گیا ہے۔

تولّی اور ادبار اس کی دوسری مثال بھی پیش کی جاتی ہے۔

اصحاب حنین کو خطاب کر کے فرمایا۔

ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ (توبہ ۲۵)

شاہ صاحب نے تجرید کے مطابق اس طرح ترجمہ کیا ہے۔

"پھر ہٹے تم پیٹھ کر۔"

لغت میں تولّی اور ادبار دونوں کے معنی پیٹھ پھیر کر جانے کے ہیں۔ دوسرے حضرات مدبرین کو حال مؤکدہ انتے ہیں اور شاہ صاحب کے نزدیک مدبرین کا لفظ صرف سجع کی رعایت سے لایا گیا ہے اس لئے شاہ صاحب پنے اسلوب پر ترجمہ کرتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس جگہ تاکید کو چھوڑ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

"پس برگشتید پشت دادہ"

شاہ صاحب نے یہاں تولی کا پورا ترجمہ نہیں کیا۔ البتہ سورہ انبیاء میں حضرت ابراہیمؑ کی زبانی جہاں یہ فقرہ نقل ہوا ہے۔ وہاں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تاکیدی ترجمہ کیا ہے۔

"رو بگردانید پشت دادہ"

شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب دونوں نے تجرید پر عمل کرکے اس طرح ترجمہ کیا ہے۔

"جب تم جا چکو گے پیٹھ پھیر کر"

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مقامات پر لفظ مدبرین فواصل میں موزونیت قائم رکھنے کے لئے لایا گیا ہے۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ (۵۷) — اور قسم اللہ کی، میں علاج کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم جا چکو گے پیٹھ پھیر کر۔

تولی اور اعراض | فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ (توبہ ۷۶) — پھر جب دیا ان کو اپنے فضل سے اس میں بخل کیا اور پھر گئے ٹلا کر

یہ شاہ عبدالقادر صاحب ہیں جنہوں نے تولی اور اعراض کا ترجمہ الگ الگ لفظوں میں کیا اور خوب کیا ہے کا ٹھیک لفظی ترجمہ اس طرح ہوگا۔

"اور پھر گئے اور وہ منہ پھیرنے والے تھے"

یہ شاہ رفیع الدین صاحب ہیں۔ اس کے مقابلہ میں شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ کتنا فصیح ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی فارسی میں لفظی ترجمہ کیا اور تاکید کا مفہوم پیدا کیا۔

"و برگشتید اعراض کناں"

معرضون کا حال بنایا ہے۔

مولانا تھانوی صاحب نے حال موکد کا مفہوم اس طرح ادا کیا ہے۔

"اور وہ روگردانی کرنے لگے اور وہ تو روگردانی کے عادی تھے"

شک اور ریب | عربی میں شک اور ریب ہم معنی الفاظ ہیں۔ قرآن کریم نے ان دونوں لفظوں کو ایک جگہ جمع کرکے تاکید پیدا کی ہے۔

وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ (ہود - ۱۱۰)

شاہ ولی اللہ صاحب نے تاکید کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

"ایشاں در شبہ قوی اندازاں"

یعنی یہ لوگ قوی شک میں مبتلا ہیں۔ شاہ صاحب نے صرف ایک لفظ کا ترجمہ کیا ہے اور دوسرے لفظ کا مفہوم قوی کا لفظ لاکر ادا کیا ہے۔

سیّد جرجانی نے یہ لکھا ہے۔

"ہر آئینہ در شک اندازاں شکے ظاہر"

شاہ عبدالقادر صاحب نے ترجمہ کو کتنا بلیغ بنا دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ "اور ان کو اس میں شبہ ہے کہ جی نہیں ٹھہرتا"۔ شک قلب کی ایسی بیماری ہے جو قلب کا آرام ختم کر دیتی ہے اور ہر وقت بے چین رکھتی ہے اس لئے شاہ صاحب نے ریب کا ترجمہ بے چینی اور بے قراری کیا ہے اور اس طرح ترجمہ کو تکرار سے بچا کر اس میں تنوع پیدا کر دیا ہے۔

شاہ رفیع الدین صاحب کے ہاں بھی ایک لفظ ہے یعنی قلق میں ڈالنے والا۔

سورہ ابراہیم میں شاہ صاحب کا ترجمہ ایک دوسرا رنگ پیدا کر رہا ہے۔

وَإِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَا إِلَيْهِ مُرِيْبٍ۔ اور ہم کو شبہ ہے اس راہ میں جس طرف ہم کو بلاتے ہو جس سے خاطر جمع نہیں۔ (۹)

فارسی والے حضرات اپنے پہلے انداز پر قائم ہیں شاہ رفیع الدین صاحب کے ہاں بھی وہی پہلا لفظ قلق نظر آرہا ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے "جی نہیں ٹھہرتا" کو "خاطر جمع نہیں" سے بدل دیا مفہوم ایک ہے اور الفاظ الگ الگ ہیں۔

یہی لفظ سورۃ سبا کے آخر میں آیا ہے وہاں شاہ صاحب کرتے ہیں۔

"وہ لوگ تھے دھوکے میں جو چین نہ لینے دیتا" (۵۴)

شک اور ریب دونوں لفظوں کا ترجمہ بالکل نئے لفظوں میں کیا ہے۔

خشیۃ اور اشفاق قرآن کریم نے خشیۃ اور اشفاق دونوں ہم معنی الفاظ کو بھی ایک جگہ جمع کیا ہے۔ فرشتوں کی تعریف میں کہا۔

وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (انبیاء ۲۸)

اس فقرہ کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔

"اور وہ ڈر اس کے سے ڈرنے والے ہیں" (شاہ رفیع الدین)

فارسی والے حضرات نے اشفاق کا ترجمہ۔ ترس اور لرزاں نند (سید صاحب) ترس خدا مضطرب ہانند (شاہ ولی اللہ)

لرزتے ہیں اور بے قرار رہتے ہیں۔ یہ اشفاق کا مجازی ترجمہ ہے تاکید کا لفظی ترجمہ وہی ہو سکتا ہے جو شاہ رفیع الدین صاحب نے کیا ہے۔

اب شاہ عبدالقادر صاحب کا کمال دیکھئے۔

"اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں"

خشیت کا ترجمہ ہیبت بمعنی جلال کر کے ترجمہ کو نہایت بلیغ اور بامحاورہ کر دیا۔

شاہ صاحب نے مجازی معنی مراد لئے ہیں۔ ہیبت سے خوف پیدا ہوتا ہے یہ سبب اور مسبّب ہیں اسی علاقہ سببیت کی وجہ سے معنی مجازی اختیار کئے۔

ڈپٹی صاحب نے بھی شاہ صاحب ہی کی پیروی کی۔ صرف ہیبت کی جگہ اس کا دوسرا ہم معنی لفظ "جلال" اختیار کیا۔

مولانا مودودی کے الفاظ یہ ہیں۔

"اور وہ اس کے خوف سے ڈرے رہتے ہیں"

یہ الفاظ مودودی سے پہلے مولانا احمد رضا خان صاحب کے ہاں ملتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

"وہ اس خوف سے ڈر رہے ہیں"

مودودی صاحب نے خان صاحب کے ترجمہ کو زیادہ پُراثر کر دیا ہے۔ یہ فقرہ سورۂ مومنون کے اندر بھی ہے

إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ (۵۷)

شاہ عبدالقادر صاحب نے جدّت اور تنوع پیدا کرتے ہوئے بالکل ترجمہ کیا ہے۔

"البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں"

دوسرے تراجم یہ ہیں:-

"خوف سے ترساں رہتے ہیں" (ڈپٹی صاحب)

"ہیبت سے ڈرتے ہیں" (تھانوی صاحب)

"رب کے خوف سے ڈرے رہتے ہیں" (مودودی صاحب)

شیخ نے ترسانند اور شاہ صاحب نے مضطرباند لکھا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن حکیم نے اس اسلوب تاکید سے یہ مفہوم پیدا کیا ہے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ سے ڈرنے باوجود اس بات کا خوف اپنے دل میں رکھتے ہیں کہ ان سے خوف خدا کا حق ادا نہیں ہوا ـــ اب یہ قرآن حکیم کے انداز کی بلاغت کا کمال ہے کہ وہ صرف دو تین لفظوں میں اتنا بڑا مفہوم ادا کر گیا اور ترجمہ کرنے والے حیران و پریشان رہ گئے کہ وہ اس وسیع مفہوم کو ترجمہ کا لباس کس طرح پہنائیں۔

از جناب ڈاکٹر ابو الفضل بخت رواں
دانش آباد - پشاور یونیورسٹی

مِلّتِ افغان

اور

عربی زبان و ادب کی خدمات

علامہ اقبالؒ نے کیا سچ فرمایا ؎

آسیا یک پیکر آب و گل است　　ملّتِ افغان دراں پیکر دل است

(ایشیا پانی و مٹی کا ایک پیکر ہے جس کا دل افغان قوم ہے)

وہ ایک روشن ضمیر اور حق گو فلسفی تھے۔ اور دنیا کی کسی قوم سے اتنے متاثر نہیں ہوئے۔ گذشتہ چند صدیوں سے انگریز قوم نے بالخصوص اور اہلِ یورپ نے بالعموم دنیا کو جس حیرت میں ڈالا وہ قارئین پر مخفی نہیں۔ آج تک ہم زندگی کے مختلف شعبوں میں ان کے مقلد ہیں اور خدا جانے کب تک رہیں گے۔

لیکن علامہ صاحب نے واضح الفاظ میں مغرب کا خاکہ یوں کھینچا ؎

یہ عیش فراواں یہ حکومت یہ تجارت　　دل سینۂ بے نور میں محروم تسلی

تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے　　یہ وادیِ ایمن نہیں شایانِ تجلی

ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیب جواں مرگ　　شاید ہوں کلیسا کے یہودی ہوں متولی

علامہ اقبال اگر کسی سے متاثر ہوئے تو صرف ملّتِ افغان سے۔ انہوں نے افغانستان اور یورپ کے دورے کئے اور اپنے تاثرات اپنے اشعار میں بیان فرمائے جس کا ایک نمونہ آپ نے ملاحظہ کیا۔

انہوں نے پشتو کے ایک عظیم شاعر خوشحال خان خٹک کو صرف انگریزی زبان کے ذریعہ پہچانا۔ جب خوشحال خان کے چند شعروں کا ترجمہ کے پڑھنے کا موقع انہیں ملا اور بھرپور خراجِ عقیدت پیش کیا۔

انہوں نے جمال الدین افغانی کو بڑی خراجِ عقیدت پیش کی۔ اور ان کی سیاست و قیادت کو سراہا۔ علامہ موصوف نے عجب خان افغانی کو اپنے شعروں میں خراجِ تحسین اس لئے پیش کی کہ عجب خان نے مادی قوت کی کمی کے باوجود ایک جابر

انگریزوں کی اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔

انگریز جب ملت افغان کے مقابلے سے تنگ ہو گئے تو انہوں نے اپنی مادی قوت کے بل بوتے پر اس غیور قوم کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کیا اور اسے ڈاکو، خونخوار، دہشت گرد، شرپسند عناصر کے ذلیل و خوار القاب سے یاد کیا۔

آج کل افغان قوم جس آزمائش اور ابتلا کے دور سے گذر رہی ہے اس سے تقریباً دنیا کا ہر فرد باخبر ہے۔ جس جابر دشمن روس سے اسے واسطہ پڑا ہے اس کی سائنسی مہارت اور عسکری قوت دنیا تسلیم کرتی ہے۔ امریکہ، یورپ، غرض مشرق و مغرب نے اس کی طاقت کا لوہا مانا ہے۔ صرف افغان قوم ہے جو اس کی استعماری اور استبدادی منصوبے کو خاک میں ملا دیا ہے۔ اتنی بڑی طاقت سے صرف اور صرف اسلام کی خاطر ٹکر لے رہی ہے۔ آئیے آج اس قوم کی تاریخ اور اصلیت پر ایک نظر ڈالیں اور ان کی وہ خدمات ایک جھلک میں قارئین کو دکھائیں جسے انہوں نے عربی زبان کی ترقی اور علوم اسلامیہ پر دین اسلام کی سربلندی میں انجام دئے۔

افغان کون ہیں؟ ویسے تو مورخین لکھتے آئے ہیں کہ ان کا اصلی وطن افغانستان ہے لیکن افغانستان کا نام ان کی سرزمین پر احمد شاہ ابدالی نے (۱۷۴۷-۱۷۷۳) رکھا۔ جو خود درانی خاندان کا بانی تھا۔

حقیقت میں افغانستان کی تاریخ پانچ ہزار سال قدیم ہے۔ اس زمانے میں اس کا نام آریا، یا، آریانا تھا۔ زرتشت کی کتاب اویستا (AVESTA) میں اس ملک کی حدود بھی بیان کی ہیں۔ ہندومت کی کتابوں یعنی ویدوں میں بھی مذکورہ قول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ایک یونانی مورخ ہیروڈوٹس نے (۴۸۴ ق م) افغانوں کے وطن کو آریانا کے نام سے یاد کیا ہے۔ کہ اس کا صدر مقام بلخ تھا۔

کسی زمانے میں ان کے ملک کا کچھ حصہ خراسان کے نام سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔

افغان قوم کو پختون اور زبان کو پختو کہتے ہیں اور ان دونوں ناموں کی نسبت بلخ کی طرف ہے۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ جب بخت نصر بابلی (۵۶۶ ق م) نے بیت المقدس پر حملہ کر کے اسے تباہ کیا تو کچھ قبیلے اس نے قید میں رکھے اور کچھ مشرق کی طرف رخ کر کے بلخ اور بعد میں تلاش معاش کے سلسلہ میں نشیبی علاقوں میں اترے اور دریائے سندھ کے کناروں تک آباد ہو گئے۔

لفظ افغان کی تحقیق (۱) بعض مورخین کا خیال ہے کہ "افغانا" آرمیا کا بیٹا تھا اور آرمیا طالوت نبی اور بادشاہ کا فرزند تھا۔ اس طرح "افغانا" کی اولاد افغان قبیلے اور پھر پوری قوم افغان کے نام سے موسوم ہو گئی۔

جب اسلام افغان قوم کے پاس پہنچا تو سب نے اسے تہہ دل سے قبول کیا چنانچہ یہ مقولہ مشہور ہو گیا۔ "افغان اور اسلام لازم ملزوم ہیں"

۲- افغان قوم کو پٹھان بھی کہتے ہیں یہ دراصل فُتحان ہے جس کا معنی ہے فاتح قوم اور ظاہر ہے کہ ہندوستان میں بطور فاتح قوم نے کچھ عرصے تک حکومت کی۔ اس عہد کو تاریخ نے عہد افغان سے یاد کیا ہے۔ جس کا سرخیل فریدخان شیرشاہ سوری تھے۔ بعض مورخین ان کو حضرت یعقوبؑ کی اولاد بتاتے ہیں۔ میرے خیال میں حضرت یعقوب سے بہت پہلے کے ہیں۔

۳- میں نے عراق کے اندر بہت سے افغان نسل عرب دیکھے ہیں جو اپنے آپ کو خالدی کہتے ہیں وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ حضرت خالد کی شادی ایک افغان نسل کی عورت سے ہوئی تھی ہم اس نسبت سے خود کو خالدی کہتے ہیں۔

۴- ایک مصری ادیب ابوالقینین محمد فہمی نے ایک کتاب " افغانستان بین الامس والیوم" (آج کل کا افغانستان) لکھی ہے اس کے خیالات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱- "افغان قوم بحیرہ روم کے خطہ میں رہنے والی قوموں سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے" میری اپنی ذاتی رائے ہے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ افغان قوم حضرت یعقوب کی اولاد میں سے ہے۔

۲- مصری ادیب فرماتے ہیں "افغان (پشتون) بہادری، بختی سے نمٹنے اور دوستداری میں مشہور ہیں۔ یہ خاموش فضا اور آزاد ماحول میں زندگی گذارنا پسند کرتے ہیں۔ آزادی کے دلدادہ ہیں۔

۳- فرماتے ہیں۔" افغان قوم مصریوں اور دیگر عرب قوم سے زیادہ قریب ہے۔ اس قوم نے اسلام اور عرب دنیا کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں۔ ان میں بڑے بڑے امام اور اہل مذہب پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے عربی علوم اور زبان کو چار چاند لگائے۔

راقم کہتا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور بوعلی سینا جیسے مقتدر ائمہ افغان نژاد ہیں۔ اور وہ ان پر فخر کرتے ہیں۔

۴- مؤلف مزید فرماتے ہیں۔" بہادری، سربلندی، صدق، وفاداری، مہمان نوازی، عدل، سخا، جود و کرم ایسی صفات ہیں جو عربوں اور افغانوں میں اکٹھے پائے جاتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مزاج بھی ایک جیسا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ افغانوں نے عربوں کی طرح صدق دل سے اسلام قبول کیا اور ہند تک اس کا دائرہ وسیع کیا۔

مؤلف اپنے کہنے میں حق بجانب ہے کیونکہ افغان باب الہند (خیبر) کے محافظ تھے۔ انہوں نے ہر ایک کو اس باب سے داخل ہونے کی اجازت نہ دی یہی خدشہ سکندر اعظم کو لاحق ہو گیا تھا۔ اس نے خیبر چھوڑ کر باجوڑ کے راستے ہند پر حملہ کیا۔ ایشیا کی وہ قومیں جو ہند میں وارد ہوئیں افغان قوم سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ مغل، ترک، چینی، یونانی، عرب افغانوں کی مدد سے ہند پر حملہ آور ہوئے۔ مذکورہ قوموں کی زبانوں میں پشتو کے الفاظ کا پایا جانا مذکورہ دعوے کا بین ثبوت ہے۔

افغانوں کی داستان لمبی بھی ہے اور دلچسپ بھی ہے۔ اس لئے تمہید ذرا مدید ہو گئی۔ اب راقم اصل موضوع کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور کچھ وضاحت کے ساتھ اسلام کے شیدائی افغانوں کے عربی علوم و فنون کی خدمات

کو قارئین کے سامنے پیش کرتا ہے ۔

۱۔ فلسفہ کے میدان ابوالحسن شہید بن حسین بلخی کا نام سرفہرست ہے ۔بلخ افغانستان کا اہم ثقافتی مرکز ہے ۔

۲۔ شعر میں بشار بن برد جو ۹۵/۱۳ طخارستان میں پیدا ہوئے اور بغداد میں اپنا نام پیدا کیا۔طخارستان کے متعلق صاحب منجد یوں لکھتا ہے ۔ بلادٌ وَاقعۃٌ فی اعالی نہر اٰمُو داریا ۔قاعدتُہا بلخ (نہر اموداریا (دریائے آمو) کے اوپر والا علاقہ ہے جس کا صدر مقام بلخ ہے ۔)

۳۔ ابوالحسن سعید بن مسعدہ البلخی جو اخفش اوسط کے نام سے مشہور ہے ۔جس کو عربی قواعد و عروض و بحور میں شہرت حاصل تھی ۔

۴۔ حدیث شریف کے میدان میں ابورجا قتیبہ بن سعید بن جمیل .... البغلانی المولود فی ۱۴۸ھ ۷۶۵م زیادہ اہمیت کا حامل ہے ۔یاد رہے کہ بغلان افغانستان کا ایک شمالی ضلع ہے ۔

۵۔ ابو معشر بن محمد بن عمر المتوفی ۲۷۲ھ ۸۸۵م البلخی نے چالیس سے زیادہ کتابیں علم حدیث پر لکھی ہیں ۔

۶۔ امام ابوحنیفہ کے عقلی اور نقلی فقہ سے کون واقف نہیں ہے ۔شاید ان جیسا دنیا میں کوئی قانون دان پیدا ہوا ہو ۔ان کے آباء و اجداد کابل کے تھے ۔جو قیدی بنا کر کوفہ لے جائے گئے ۔

۷۔ ابوعلی الحسن ابن سینا کے نام سے کون صاحب علم بے خبر ہے ۔آپ موجودہ یورپی طب کے بانی مبانی ہیں ۔ صاحب قراءۃ رشیدیہ تیسری جلد میں یوں رقم طراز ہیں ۔

وُلِدَ فِی خَومیثنَ مِنْ قُرَی بخارا الواقعۃ فی شمالِ افغانستان مِنْ وَالِدَینِ اَفغانِیَین ..... وَ اَلَّفَ نَیِّفًا وَمِائۃَ کتاب فی طب والفَلسفَۃُ وَالطبیعۃ وَالرِیاضَۃِ وَالاَدَب والسِیاسَۃِ وَ المُوسیقی ۔

ترجمہ ۔ وہ بخارا کے دیہات میں سے گاؤں خومیثن جو افغانستان کے شمال میں ہے پیدا ہوئے ۔ان کے والدین افغانی تھے ۔انہوں نے سو سے زیادہ کتابیں تالیف فرمائی تھیں جو طب ۔فلسفہ ۔فزکس ۔ریاضی ۔ادب ۔سیاست اور موسیقی کے مضامین پر مشتمل ہیں ۔

۸۔ خاندان برامکہ کو خلفائے عباسی کے دور میں اپنی عقل و بصیرت کی بدولت ممتاز فوقیت حاصل تھی ۔ وہ وزارت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے اور حکومت کے سیاہ و سفید کے خود مالک ہو گئے ۔اور علم و ادب مدارس اور جامعات کی شکل میں عظیم الشان خدمات انجام دیں ۔وہ کہاں کے تھے ۔

مورخین کہتے ہیں وہ بلخ سے تعلق رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ بلخ افغانستان کا ایک صوبہ تھا اور ہے ۔ اس خاندان نے عربی علم و ادب میں براہ راست یا بالواسطہ ایک وافر ذخیرے کا اضافہ کیا ۔

۹۔ کہا جاتا ہے ابوعثمان عمرو بن عبید جس نے حذیفہ بن عطا کے اشتراک سے فرقہ معتزلہ کی بنیاد رکھی تھی اور
قدیم عربی ادب کے امام تسلیم کئے جاتے ہیں ان کے آباء و اجداد افغانستان سے متعلق تھے
۱۰۔ ابوالقاسم عبد بن احمد بن محمود الکعبی جس نے کعبیہ فرقہ کی بنیاد رکھی جو معتزلہ کا ایک حصہ ہے وہ بلاشک
افغانی ہے۔ آپ ۲۲۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۹۴ھ میں بلخ میں وفات پائی۔
ہرات جو افغانستان کا ایک اہم شہر ہے یہ عربی علم و ادب۔ فقہ و قانون۔ تفسیر القرآن اور احادیث النبوی ؐ
کے پڑھنے پڑھانے کا مرکز رہا ہے۔

۱۱۔ ابوالفضل محمد بن ابی جعفر جو ۳۲۹ھ ۹۴۹م میں فوت ہوئے۔ انہوں نے فنون و علوم میں کمال حاصل کیا تھا۔ اور
جنہوں نے شطرنج کے متعلق شعر گوئی کی ہے۔ ہرات افغانستان کے تھے۔ آپ کتاب مفاخر المقادہ کے مؤلف ہیں۔
۱۲۔ ابوسہیل و ابواسامہ دونوں لغوی تھے۔ اور ہرات سے متعلق تھے۔
۱۳۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ابوذر عبداللہ بن احمد ہروی جو کتاب المستدرک علی الصحیحین کے مؤلف تھے افغانی تھے۔
ہروی ہرات کو نسبت ہے جو افغانستان کا ایک اہم شہر ہے
۱۴۔ ابوزید احمد بن السہل جو بلخ کے قریب شاستان میں پیدا ہوئے اور امیر بلخ عبداللہ بن سہل نے نہایت توقیر و
تکریم کی۔ آپ ۲۰۹ھ ۹۲۱م میں اپنی مشہور کتاب "کتاب الاشکال جغرافیہ کے موضوع پر لکھی۔ اس کا ایک باب
فضائل بلخ پر بھی ہے۔

۱۵۔ ابوالمظفر محمد بن آدم الہروی متوفی ۴۱۴ھ جنہوں نے دیوان متنبی اور دیوان حماسہ کی مفصل شرح لکھی ہیں۔
۱۔ منصور محمد بن احمد بن طلحہ۔ پیدائش ۲۸۲ھ ہرات کے تھے۔ ان کے مؤلفات میں القاموس (تہذیب اللغۃ)
زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔
۔ محمد یوسف ہروی علم حدیث میں ماہر تھے۔ آپ ابوعبید احمد بن محمد بن عبدالرحمٰن الہروی کے شاگرد تھے۔ اس
کتاب الغریبین فی القرآن والحدیث لکھی جس کی وفات ۴۰۱ھ میں ہوئی۔
ابوالحسن علی بن محمد الہروی لغوی نحوی اور خطاط گذرے ہیں۔
غزنویوں کی حکومت جب سے افغانستان میں آئی اس دن سے سرکاری زبان عربی کی بجائے فارسی مقرر کی
لیکن اس کے باوجود علماء افاغنہ نے اپنی تصنیف اور تالیف عربی زبان میں جاری رکھی۔ ملوک و امرائے وقت
سہولت فہم کے لئے فارسی میں تراجم کئے گئے۔
چنانچہ رشیدالدین الوطواط البلخی نے جو فارسی اور عربی کے شاعر بھی تھے۔ پندرہ کتابیں عربی میں تالیف
۔ انہوں نے مناقب علی ابن ابی طالب کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا۔ جو "مطلوب کل طالب" کے نام سے مشہور ہے

اس کی تاریخ وفات ۵۸۸ھ ۱۱۹۳م ہے۔

۲۰۔ ابوالفضل محمد بن الحسین البیہقی ۳۹ سال غزنوی بادشاہوں کے دربار میں رہے۔ جس میں محمود غزنوی کا دور زیادہ مشہور ہے۔ انہوں نے تاریخ الغزنویین لکھی۔ اس کی تاریخ وفات ۴۷۰ھ ۱۰۷۷م ہے۔

۲۱۔ قاضی حمیدالدین ابوبکر عمر بن محمود البلخی کے بہت سے مؤلفات عربی و فارسی میں ہیں۔ وہ پہلا ادیب ہے جس نے عربی قافیہ نویسی کے منوال پہ فارسی میں سجع کا استعمال کیا۔

۲۲۔ شیخ الاسلام ابواسماعیل عبداللہ بن ابی منصور جو ۳۹۶ھ میں ہرات کے نزدیک پیدا ہوئے اور ۴۸۱ھ ۱۰۸۸م میں ہرات میں وفات پائی۔ آپ کے مشہور مؤلفات میں سے (۱) منازل السائرین (۲) نظریات و مقامات التصوف ۳۔ ذالالام فلسفہ ہیں۔

۲۳۔ ابوریحان البیرونی ۹۷۳ - ۴۴۸ھ ۱۰۴۸م اگرچہ مؤرخین کو ان کے اصلی وطن کے بارے میں کلام ہے بعض کہتے ہیں کہ خوارزمی ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ افغانی ہیں۔ بہرحال آپ کو جو شہرت اور فوقیت حاصل ہے وہ افغانی حکمران غزنوی خاندان کی تولیت سے ہے۔ آپ ہی کی بدولت عرب دنیا اور یورپ قدیم ہند کی تہذیب سے آگاہ ہوئے ہیں۔

صاحب منجد آپ کے متعلق یوں رقمطراز ہے۔

"درس الریاضیات و الفلک والطب والتقاویم والتاریخ والعلوم الیونانیہ والہندیہ ... من مؤلفاتہ الآثار الباقیہ من القرون الخالیہ طبع فی ۱۸۷۸م"

۲۴۔ ابوالحسن علی بن الحسن بن ابی الطیب الباخرزی۔ ان کے بہت سے مؤلفات ہیں۔ فقہ۔ منطق۔ فلسفہ اور ادب میں جن میں مشہور دمیۃ القصر وعصرۃ اہل العصر زیادہ مشہور ہے جس میں ۲۱۵ عربی شعراء کے شعر اور زندگی سے بحث کی ہے جس سے آپ نے یتیمۃ الدہر للثعالبی کی تکمیل فرمائی ہے۔

۲۵۔ محمد بن علی بن محمد المعروف بابی سہل ۳۷۲ھ - ۹۸۲ء ہرات میں پیدا ہوئے۔ اور ۴۳۳ھ ۱۰۴۲م قاہرہ میں وفات پائی۔ علم حدیث کے امام مانے جاتے ہیں۔

۲۶۔ آدم بن احمد بن اسد الہروی جس نے پہلے بلخ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کے حلقہ درس میں رشید الدین الوطواط بھی شامل تھے۔ پھر حج کرنے گئے اور واپسی پر بغداد میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ آپ نے ادبیات اور علم الحدیث پڑھایا آپ کی مشہور تالیف "کتاب الصراف فی ادب القضاۃ دعوا فی المحکومات" آپ کی تاریخ وفات ۵۳۶ھ ۱۰۴۲م ہے۔

۲۷۔ (۱) کتاب المقالات (۲) کتاب قبول الاخبار و معرفۃ الرجال (۳) تحفۃ الوزراء کے مؤلف عبادی الہروی ہیں۔ جو ۴۸۵ھ ۱۰۹۵م بلخ میں فوت ہوئے۔

۲۸۔ ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی جو افغانستان کے بغ گاؤں میں ۱۱۱۶م میں پیدا ہوئے۔ مشہور فقیہ اور محدث گذرے ہیں۔ کتاب مصابیح السنۃ اور تین اور کتابیں آپ کی مؤلفات ہیں۔

۲۹۔ علی بن محمد الجرجانی جس نے ہرات میں سکونت اختیار کی ۷۶۶ھ میں متعدد کتابوں کے مؤلف تھے۔ جن کی تعداد ۴۴ بتائی جاتی ہے۔

۳۰۔ نور الدین ابوالقاضی بن احمد البلخی جس نے علم الفلک میں دو کتابیں لکھیں۔ المدخل فی علم النجوم اہم تالیف ہے۔

۳۱۔ زین الدین بن علی بن احمد المعبدی الصوفی ہے۔ جنہوں نے عربی میں چند کتابیں تحریر کیں ان میں ہدایات الاذکیا الی طریق الاولیاء زیادہ مشہور ہے۔

۳۲۔ عبدالباقی بن محمد حاجی صدر الدین الصیرفی القندھاری اور اس کی تالیف الکتاب اللغوی (تمام شرک کے موضوع پر) دونوں شہرت کی حامل ہیں۔

۳۳۔ معین الدین بن شرف الدین الفراحی الہروی المتوفی ۹۰۷ھ ۱۵۰۱م نے بحر الدرر تالیف فرمائی۔

۳۴۔ کمال الدین حسین بن علی الہروی المتوفی ۹۱۰ھ ۱۵۰۵ء فارسی کا مشہور شاعر اور عربی کا ادیب تھا لوائح القمر آپ کی مشہور تالیف ہے۔ ہرات کو نسبت ہے۔

۳۵۔ عبدالمعین بن احمد بن البکار البلخی نے ۹۷۳ھ اپنا دیوان الشعر بعنوان (غواشی الاسواق فی معانی العشاق) مرتب فرمایا۔

۳۶۔ عصام الدین ابراہیم بن عرب شاہ الاسفرائنی المتوفی ۹۴۴ھ ۱۵۳۷م ہرات کے مدرسہ شاہرخ میں کافی عرصہ تک مدرس رہے اس نے میزان الادب فی العلوم الثلاثۃ (الصرف۔ النحو۔ البلاغہ) عربی زبان میں تحریر فرمائی۔ ۲۔ علم المجاز بھی ان کی کتاب ہے۔

۳۷۔ محمد بن یوسف الطبیب الہروی ۹۲۴ھ ۱۵۱۸ء طب میں ایک کتاب بعنوان "الجواہر فی المطلحات الطبیۃ من العبریہ والاتینیہ والیونانیہ (عبرانی الاطینی اور یونانی طبی اصطلاحات) فن طب میں بہترین کتاب ہے۔

۳۸۔ گیارہویں ہجری میں محمد رحیم بن الحاج محمد الہروی نے انیس الموحشین لکھی۔

۳۹۔ تیرھویں ہجری میں صاحب زادہ محمد عمر میاں المحمدی نے برہان الاصول۔ ۲۔ رائق السماع فی تحقیق الجمعہ تحریر کی۔

۴۰۔ ملا دوست محمد بن ملا امین الکابلی نے ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۱ء تحفۃ الاخلاء فی عصمۃ الانبیاء تحریر فرمایا۔

افغانستان کے وہ علماء جنہوں نے اسلامی علوم وفنون میں کمال پیدا کیا۔ ان کی فہرست بہت طویل ہے اس مقالہ میں اتنی طاقت نہیں کہ ان سب کا احاطہ کرے۔ آخر میں جمال الدین افغانی کے اسم گرامی کا ذکر کرکے فہرست کو ختم کرتا ہوں۔ اور مقالے کے دوسرے لوازمات کی طرف متوجہ ہوں۔

۴۱۔ صاحب منجد جو عیسائی مسلک ہے جمال الدین افغانی ۱۸۳۸ء ۱۸۹۸م کے متعلق یوں رقمطراز ہے۔
وُلِدَ فِی اَسْعَد اٰباد جَالَ فِی الشَرقِ والغَرب فَاحرَزَ ثقافۃً واسعۃً۔ خطیبٌ دعَا اِلَی الوَحدۃِ الاسلامیّۃ لہٗ "الرّدُ علی الدھریۃ" نقلہٗ محمد عبدہ مِنَ الفَارسیۃِ اِلَی العَرَبیّۃ یعنی وہ اسعد آباد (افغانستان) میں پیدا ہوئے الخ

افغانستان میں دینی مدارس ویسے تو ہر افغانی کا گھر دینی مدرسہ کا سماں پیش کرتا ہے۔ جہاں روزانہ قرآن شریف کی تلاوت کی جاتی ہے۔ پشتو اور فارسی کی کتابیں جو مسائل دینیہ پر مبنی ہوتی ہیں پڑھی اور سنائی جاتی ہیں۔
گھر کے علاوہ مسجد بذات خود ایک مدرسہ ہوتا ہے۔ جہاں ملک کے اندر یا باہر دینی مدارس کا فارغ شدہ عالم دین اس مدرسے کا مدرس اعلیٰ ہوتا ہے۔ اور جہاں بچوں کو قرآن و احادیث نبوی پر مبنی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ فقہ۔ ادب اور قواعد کی کتابوں پر توجہ دی جاتی ہے۔ لیکن ہم مرکزی مدرسوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ جن کی افغان حکومت براہ راست نگرانی کرتی ہے یا بالواسطہ (اب روسی انقلاب کے بعد تو حالت زار سب پر عیاں ہے)۔

۱۔ افغانستان کی مدارس ثانویہ تک عربی زبان لازمی تھی۔ جیسا کہ پاکستان میں اردو زبان ہے۔
۲۔ کابل میں ایک بڑا ادارالعلوم ہے جن کے اساتذہ دیوبند۔ دارالعلوم حقانیہ اور جامع ازہر کے فارغ شدہ ہیں۔
۳۔ فخر المدارس ہرات جن میں کثیر طالب العلم علوم اسلامیہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔
۴۔ جلال آباد کے قریب غدہ میں نجم المدارس دینی سرگرمی میں مصروف تھا اب خدا جانے کیا حال ہے۔
۵۔ اسی نوعیت کا مدرسہ اسدیہ مزار شریف میں دینی علوم کا نور انحار بلاد میں پھیلا رہا ہے۔
۶۔ میمنہ میں مدرسہ ظاہر شاہی میں طلبہ کی کافی رونق ہوتی ہے۔
۷۔ مدرسہ تخارستان میں اساتذہ و تلامذہ کا ہجوم رات دن رہتا ہے۔
۸۔ نور المدارس غزنی میں ۴۰۰ سے زائد طالب علم زیر تدریس ہوا کرتے تھے۔
۹۔ المدرسۃ المحمدیہ قندہار میں علوم فیوض کا سرچشمہ ہے۔ جہاں اکثر فضلاء دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پاکستان اور جامع الازہر مصر کے فارغ شدہ اساتذہ پڑھا رہے تھے۔ غیر ملکی تسلط کے بعد پتہ نہیں کہ وہاں کیا حال ہے۔

جنوری ۱۹۵۵ء میں مستشرق کارل ننتولز کا ایک مضمون زیر عنوان "اللغۃ العربیۃ فی افغانستان مجلۃ المجمع العلمی بدمشق میں چھپا تھا۔ مضمون کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

"والطلبۃ الافغانیون یلفظون احرف الضاد والعین والھمزہ بوضوح و یصعب علی المرء ان یعرفھم افغانا حین یتکلمون بالعربیۃ ..... وتری ان اولئک الطلبۃ لاتعادل فرحتھم لمعرفۃ العربیۃ بفرحۃ اخری"

ترجمہ۔ عربی زبان کے افغانی طلبہ صرف ضاد، عین اور ہمزہ ایسی وضاحت کے ساتھ ادا کرتے ہیں کہ سامع کے لئے مشکل ہو جاتا ہے کہ آیا متکلم افغانی ہے یا عربی۔ آپ محسوس کریں گے کہ وہ طلبہ عربی زبان دانی کو ایسی کامیابی تصور کرتے ہیں جس کے مقابلے میں اور کوئی خوشی نہیں ہو سکتی۔

"وهكذا نجد افغانستان تحتل مكاناً ممتازاً في البلدان المسلمة غير العربية من حيث الآداب (العربية) منذ اقدم العصور حتى اليوم"

ترجمہ۔ اسی طرح ہم افغانستان کو پاتے ہیں جس نے (عربی کے میدان میں) غیر عربی اسلامی ملکوں میں زمانہ قدیم سے آج تک عربی آداب میں ایک ممتاز مقام حاصل کیا ہے۔

افغانی شعر پر عربی کا اثر آج کل اگر پشاوری پشتو زبان بولنے والا افغانی سے ہم کلام ہو جائے تو ایک دوسرے کو سمجھنا قدرے مشکل ہو جاتا ہے کیوں؟

اس لئے کہ افغانی پشتو نے عربی اثر کو اب تک بحال رکھا ہے۔ جب کہ پاکستانی پشتو نے عربی تاثر کو کافی حد تک زائل کر کے انگریزی زبان کے تاثر کو قبول کیا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ کلام الملوک۔ ملوک الکلام۔ انگریز ہمارے ملوک تھے اس لئے ان کی زبان بھی ہماری زبانوں کی بادشاہ بنی۔ لیکن افغانستان میں عربی کی حاکمیت غیر ملکی تسلط سے قبل تک موجود تھی۔ اور انشاء اللہ عربی کی تسلط بہت جلد عود کر آئے گی۔

چند صدی پہلے پاکستانی پشتو عربی سے بے حد متاثر تھی۔ اس کے ثبوت میں خوشحال خان کے بیٹے عبدالقادر خان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:۔

بیا په مخ ونیوه ولاړ بې نقاب — افتح یا مفتح الابواب
گل شگفته شو په نوره بهار — الصبوح الصبوح یا احباب
تا چې قدم په خاورو کیښو، فلک — قال یا لیتنی کنت ترابا
چې ... شوې مین راشي په کن — سبب یا مسبب الاسباب
او زړم قبول دے جدائي نه وي — هجر محبوب رأس کل عذاب
ذل من طمع، عز من قنع — ځکه قانع شده اولو الالباب
بې خدایه ویره شرک خفی است — وهو القاهر وهو الوهاب
رب عمل زم دے هم د بد سے — تب علی فانك انت التواب
بته رحیمی وکریمی و غفور — زه که هر څو نه ځم په راه صواب
عبد القادر چه دا غزل کړو بیان — څوک به ئے کا ند په پشتو کښ جواب

۱۔ ترجمہ۔ محبوب نے پھر چہرے پر نقاب ڈالی۔ کھول اسے دروازوں کے کھولنے والے

۲۔ بہار کے پھول ہر سمت کھلے ہوتے ہیں اے دوستو صبح کا وقت کیا پُر لطف ہے (صبوح شراب صبا کو بھی کہتے ہیں)

۳۔ (اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) جس وقت آپ نے دنیا کی مٹی پر قدم رکھا تو آسمان بول اٹھا کاش میں مٹی ہوتا۔

۴۔ جب بچھڑے دوست ملے (تو کیا بہتر ہوتا ہے) اے مسبب الاسباب کوئی سامان پیدا کر کہ دوست ملے۔

۵۔ مجھے آگ قبول ہے لیکن جدائی قبول نہیں۔ محبوب کی جدائی ساری تکلیفوں کی جڑ ہے۔

۶۔ جس نے لالچ کی وہ ذلیل ہوگیا جس نے قناعت اختیار کی وہ پیارا ہوگیا۔ اس لئے تو عقلمند قناعت پسند ہوگئے

۷۔ اللہ کے سوا کسی اور سے ڈرنا پوشیدہ شرک ہے۔ وہی قاہر ہے اور وہی بخشنے والا ہے۔

۸۔ اے پروردگار میرا سارا عمل برا ہے تو میری توبہ قبول فرما اے توبہ قبول کرنے والے۔

۹۔ یا خدا، تو رحیم وکریم وغفور ہے اگرچہ میں گناہ گار ہوں اور سیدھے راہ پر نہیں چلتا۔

۱۰۔ جب عبدالقادر نے اس غزل کو بیان کیا تو کون پشتو میں اس جیسا لکھ سکتا ہے؟

حاصل مقالہ | اس مقالے کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ قارئین کرام پر ملت افغان کی دینی اہمیت واضح ہوجائے جس دین کے لئے انہوں نے اتنی روحانی اور مادی قربانی دی ہے۔ اس کا آسانی سے مٹا دینا مشکل ہے۔ ان کے دشمن نے جو ان کی سرزمین پر حملہ کیا ہے اور معدودے چند مواضع پر وقتی قبضہ کر رکھا ہے اس نے غلطی کی ہے اسے اپنی غلطی کا احساس کرنا چاہئے۔ اب بھی اس کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔

مصادر و مراجع | ۱۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ (طبع لاہور) ۲۔ دائرۃ المعارف بریٹانیکا۔

۳۔ "تاریخ ادبیات افغانستان" مؤلف محمد کریم خان نزیہی۔

۴۔ دیوان عبدالقادر خان پسر خوشحال خان خٹک

۵۔ مجلہ المجمع العلمی العربی بدمشق۔ تیسویں جلد۔ سوم جزء مقالہ مستشرق ڈاکٹر کارل شنونز تحت عنوان "اللغۃ العربیۃ فی افغانستان"

۶۔ "تاریخ ادبیات ایران" مؤلفہ (برون)، ۷۔ المنجد فی اللغۃ والادب۔

۸۔ مجلہ پشتو، پشتو اکیڈیمی۔ فروری ۱۹۸۱ء مولف کا مضمون " پہ پښتو عربی اثر"

۹۔ "تاریخ ادبیات عربی" بروکلمان

۱۰۔ القرأۃ الرشیدہ جزء سوم مولفہ عبدالفتاح صبری اور علی عمر المصری۔
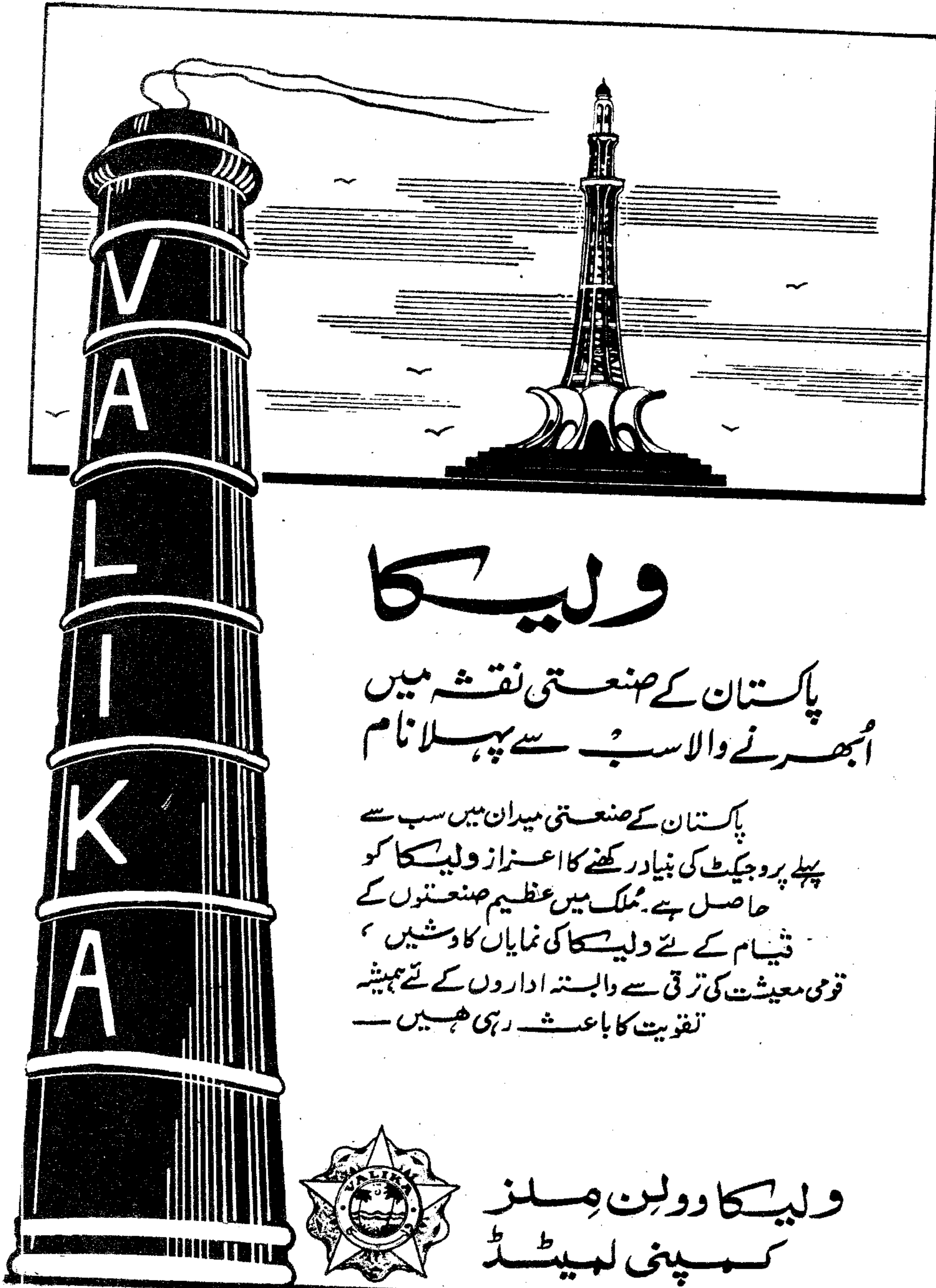
VALIKA
ولیکا
پاکستان کے صنعتی نقشہ میں
اُبھرنے والا سب سے پہلا نام
پاکستان کے صنعتی میدان میں سب سے
پہلے پروجیکٹ کی بنیاد رکھنے کا اعزاز ولیکا کو
حاصل ہے۔ مُلک میں عظیم صنعتوں کے
قیام کے لئے ولیکا کی نمایاں کاوشیں،
قومی معیشت کی ترقی سے وابستہ اداروں کے لئے ہمیشہ
تقویت کا باعث رہی ہیں —
VALIKA
ولیکا وولن مِلز
کمپنی لمیٹڈ
ORIENT

ڈاکٹر وحید الرحمٰن شاہ۔ صدر شعبہ اسلامیات
گورنمنٹ کالج پشاور

تعارف و تبصرۂ کتب

کشافُ القرآن (پشتو)

مولانا حافظ محمد ادریس طوروی

مفسرؒ حافظ محمد ادریس بن حافظ احمد شاہ بن حافظ نقاب شاہ ضلع مردان کے موضع طور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے پردادا حافظ سمیع اللہ المعروف باجڑے بابا صاحب اپنے وقت کے بڑے عالم و فاضل بزرگ گذرے ہیں۔

حافظ صاحب نے سات برس کی عمر میں قرآن مجید اپنے والد صاحب سے حفظ کیا۔ درس نظامی کی کتابیں اپنے نانا مولانا محمد اسمٰعیل شہید طوروی (المتوفی ۱۳۳۴ھ ۔ ۱۹۱۶ء) سے پڑھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ نے ہندوستان کا سفر کیا۔ اور دہلی میں عبدالجلیل صاحب تلمیذ مولانا حکیم برکات احمد صاحب ٹونکی سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کرکے مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری (المتوفی ۱۳۵۳ھ ۔ ۱۹۳۴ء) اور مولانا شبیر احمد عثمانی (المتوفی ۱۳۶۹ھ ۱۹۴۹ء) سے دورہ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔

۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے "مولوی فاضل" کا امتحان امتیاز سے پاس کرکے تین سو روپیہ نقد اور ایک تمغہ انعام حاصل کیا۔ الہ آباد یونیورسٹی سے عالم کا امتحان پاس کیا۔ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء میں منشی فاضل اور ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء میں ادیب فاضل کے امتحانات پنجاب یونیورسٹی سے پاس کئے۔

۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء میں ایم اے او کالج امرتسر میں عربی اور دینیات کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ ۱۳۶۱-۶۲ھ مطابق ۴۳-۱۹۴۲ء میں اسلامیہ کالج پشاور میں عربی او زار دو اور اسلامیہ کالجیٹ سکول میں پشتو کی تدریس کی۔

۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء میں میٹرک ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء میں ایف اے ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۴ء میں بی اے ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۶ء میں ایم اے فارسی اور ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء میں ایم اے عربی کے امتحانات پاس کئے اور ایم اے عربی میں طلائی تمغہ بھی حاصل کیا۔

آپ پنجاب یونیورسٹی کے وظیفہ پر بہاولپور کالج میں ریسرچ سکالر مقرر ہوئے۔ ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء میں

محکمہ اطلاعات صوبہ سرحد میں ملازم ہوئے۔ ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں وہاں سے محکمہ تعلیم میں آئے۔ پہلے گورنمنٹ کالج مردان۔ پھر اسپیٹ آباد میں عربی کے لیکچرر رہے۔ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی کے لئے بطور صدر شعبہ آپ کی خدمات مستعار لی گئیں۔

۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء میں پشاور یونیورسٹی کی طرف سے آپ جامعہ ازہر (قاہرہ) میں تین ماہ کے لئے ریسرچ سکالر بن کر روانہ ہوئے۔ محرم ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۰ مئی ۱۹۶۵ء کو بوئنگ طیارہ جب قاہرہ کے ہوائی اڈہ کے قریب پہنچا تو اس میں اچانک ایک دھماکہ ہوا اور جہاز ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ اس میں آپ کے علاوہ ملک کے ۲۲ ممتاز ادیب اور صحافی بھی واصل بحق ہوئے۔ اور قاہرہ کے قبرستان میں دفن کئے گئے[۵]

حافظ صاحب کی تصانیف[۶] میں سے کشاف القرآن ایک معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ جسے آپ نے ایک عجیب و غریب انداز میں پیش کیا۔

آپ نے مختلف پشتو تراجم و تفاسیر کا بغور مطالعہ کیا۔ یہ اگرچہ نہایت ہی مستند اور قابل تحسین ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بامحاورہ اور مختصر ترجمہ و تفسیر بزبان پشتو نہیں تھی جس سے دور حاضر میں استفادہ کیا جا سکے حافظ صاحب جانتے تھے کہ "کلام اللہ" جو عربوں کے محاورہ میں اترا ہے اس کا وہی ترجمہ زیادہ مفید و مناسب ہو سکتا ہے جو بامحاورہ ہو اور خلق خدا کو اس کے مطالب سمجھنے میں آسانی ہو۔ لیکن آپ کے سامنے پشتو تراجم و تفاسیر میں اس قسم کا کوئی نمونہ موجود نہیں تھا۔ لہٰذا آپ نے کافی غور و خوض کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ ۱۹۴۳ء) اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے تراجم دیکھ لینے کے بعد اٹھایا۔

آپ نے پھر بھی اس مقصد کے حصول کے لئے پہلے نمونہ کے طور پر پارہ اول کا ترجمہ اور تفسیر لکھ کر چھپوائی چند سال بعد (۱۳۶۹ھ ۱۹۵۰ء اور ۱۳۷۶ھ ۱۹۵۷ء کے درمیانی عرصہ میں) قرآن پاک کے تیسویں پارے

---

[۵] رسالہ شفق حافظ محمد ادریس نمبر گورنمنٹ کالج مردان ص ۵۰۔ ب۔ تذکرہ علماء مشائخ سرحد حصہ دوم۔ سید محمد امیر شاہ قادری ص ۲۵۴ تا ۲۶۱۔ ج) ماہنامہ الفقیہہ ۷ اکتوبر ۱۹۷۲ء۔ د۔ ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر ص ۵۷۱۔ ۵۷۹۔ ک۔ مشاہیر علماء دیوبند ج ا۔ قاری فیوض الرحمان ص ۲۱۴ [۶] پاکستان کے علمی مجلات میں مختلف مضامین کے علاوہ آپ کی لکھی ہوئی تقریباً بیس کتابیں دستیاب ہیں۔ جن میں چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ جمال الدین افغانی۔ ۲۔ دراسۃ القرآن۔ ۳۔ چہل حدیث کا پشتو ترجمہ۔ ۴۔ النحو الواضح لعلی جارم مصری کے پہلے تین اجزاء کا اردو ترجمہ۔ ۵۔ میرا لڑکپن طٰہٰ حسین مصری کی کتاب کا ترجمہ۔ ۶۔ اسلامی قصے۔ ۷۔ تعلیمی قصے۔ ۸۔ پشتو گرامر۔ ۹۔ معجزات رسول۔ ۱۰۔ ازہار الادب برائے نہم دہم وغیرہ

کا ترجمہ وتفسیر کشاف القرآن، پارۂ عم کے نام سے یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور سے شائع کیا۔ جسے پشاور یونیورسٹی نے پشتو آنرز کے نصاب میں شامل کیا۔ اول وآخر پارے کی اشاعت پانچ سال بعد تک ان کے بارے میں علماء کے رد عمل کا انتظار کیا۔ لیکن عوام وخواص دونوں طبقوں نے آپ کے علم ودانش کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ترجمہ کو نہایت ہی سراہا۔ اور بقیہ پاروں کا ترجمہ وتفسیر لکھنے کی شدید خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ حافظ صاحب نے لوگوں کی خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن پاک کا مکمل ترجمہ وتفسیر لکھنا شروع کی۔

کشاف القرآن جلد اول ابتدائی پندرہ پاروں کا ترجمہ وتفسیر ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۱ء میں یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور سے شائع کیا جو ۲/۱ ۱۰ × ۲/۱ ۶ کی تقطیع کے ۷۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

حصہ دوم ۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء میں قاہرہ جانے سے ایک روز قبل مکمل کر چکے تھے۔ اور سورہ یٰسین تک کے حصہ کی کتابت بھی ہو چکی تھی۔ البتہ اسی سورہ کے ایک حصہ کو اپنے ساتھ نظر ثانی کے لئے مصر لے گئے کہ شہادت کا واقعہ رونما ہوا۔ چنانچہ یہ حصہ کراچی میں آپ کے واپس کردہ بریف کیس سے ملا۔ جسے آپ کے برخوردار پروفیسر ولی اللہ صاحب نے یونیورسٹی بک ایجنسی کو اشاعت کے لئے دے دیا۔[1]

حصہ اول کی طرح حصہ دوم کی کتابت بھی مولوی خیر محمد صاحب نے کی۔ جسے ایجنسی نے حصہ اول کے پندرہ سال بعد ۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء میں شائع کیا۔ یہ حصہ ۷۰۱ تا صفحہ ۱۶۷۴ کے ۹۰۹ صفحات پر مشتمل ہے۔

کشاف القرآن حصہ اول کے سرورق کی پشت پر پیش کش کے مندرجہ ذیل عبارت ہے۔

"پاکه ربه! ستا په پاک دبار کښ ستا کلام پیش کوم او دده په برکت دخپلو بے شمیره ګناهونو بخښنانه غوارم! ته بخښونکے مهربان ئے"

ترجمہ۔ اے رب! تیرے مقدس دربار میں تیرا کلام پیش کرتا ہوں اور ان کے طفیل اپنے بے شمار گناہوں کی بخشش کا طالب گار ہوں۔ تو بخشنے والا اور مہربان ہے۔

حافظ صاحب نے کشاف کی ابتدا میں "قرآن مجید کی تاریخ" کے موضوع پر ایک مبسوط جامع مقدمہ پیش کیا ہے۔ جس میں تراجم قرآن مجید" کے عنوان کے ذیل میں ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کے متعلق اپنے معلومات وتاثرات محققانہ انداز میں بیان فرمائے ہیں جو کسی دوسری تفسیر کے مقدمہ میں نہیں ملتے۔ آپ لکھتے ہیں۔

ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کے دو طریقے ہیں۔ ایک لفظی اور دوسرا بامحاورہ۔ لفظی ترجمہ کا

---

[1] کشاف القرآن جلد دوم ص ۷۰۰ الف

ہر لفظ کے نیچے اس کے لغوی معنی کے ہیں۔ اور با محاورہ ترجمہ سے ہر لفظ و جملہ کا مطلب دوسری زبان میں اس انداز سے بیان کرنے کا ہے کہ عوام اس کی عبارت سنتے ہی بات کی تہہ تک پہنچ سکیں۔

لفظی ترجمہ کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں غلطی یا مطلب بدلنے کا احتمال کم ہی ہوتا ہے۔ لیکن بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ عوام صحیح مطلب اخذ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ عوام اپنی زبان کے "محاورہ" میں گفتگو کرتے ہیں۔ اور ایک زبان کے محاورے دوسری زبان کے محاوروں سے مطابقت نہیں رکھتے۔ اس کے مقابلے میں با محاورہ ترجمہ میں تقدیم و تاخیر ہو سکتی ہے۔ لیکن ایسا ترجمہ عوام کے لئے مفید ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ترجمہ کے مطلب کو خوب سمجھ جاتے ہیں۔ اور فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

آگے چل کر آپ لکھتے ہیں :-

دنیا کی ساری زبانیں تین نسلوں میں تقسیم ہو چکی ہیں۔ آریہ۔ سامی اور حامی۔ اب اگر کوئی کسی ایک ہی زبان کا ترجمہ اسی نسل کی دوسری زبان میں کرنا چاہے۔ مثلاً فارسی سے پشتو۔ یا پشتو سے اردو میں۔ تو کسی حد تک لفظی ترجمہ بھی کارآمد ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ساری آریہ زبانیں ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ان کی جڑیں ایک ہی جگہ پہنچتی ہیں۔ لیکن اگر عربی سے پشتو یا اردو میں ترجمہ کیا جائے تو پھر لفظی ترجمہ بہت کم فائدہ دیتا ہے۔ کیونکہ عربی "سامی" زبان ہے۔ ان کے ترتیب الفاظ، مسائل صرف و نحو اور عام محاورات آرین زبانوں سے بالکل مختلف ہیں۔ مثال کے طور پر عربی میں پہلے موصوف اور بعد میں صفت آتی ہے۔ لیکن پشتو میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اسی طرح عربی میں پہلے مضاف اور بعد میں مضاف الیہ آتا ہے۔ اور پشتو میں ہمیشہ بعد میں آتا ہے۔ عربی کے حروف عاملہ جدا ہیں۔ اور ان کے مقابلے میں پشتو کے حروف علیحدہ ہیں۔ علاوہ ازیں اکثر بہت ہی جگہوں میں عربی حروف کا ترجمہ پشتو زبان میں مناسب جگہ نہیں پاتا۔

مندرجہ بالا تمہید کے بعد حافظ صاحب کشاف کے ترجمہ کے لئے بطور جواز کے رقمطراز ہیں کہ

یہی وجہ ہے کہ علماء نے قرآن مجید کے ترجمہ میں اس بات کی اجازت دی ہے کہ ترجمہ کرتے وقت الفاظ کو مناسب طریقے سے آگے پیچھے لگا کر ترجمہ کا محاورہ درست کیا جائے۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ سب سے پہلے حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے قرآن مجید کا اردو لفظی ترجمہ کیا۔ پھر شاہ عبدالقادرؒ نے نہایت ہی احتیاط سے قدرے با محاورہ ترجمہ کیا۔ ان کے بعد قرآن مجید کے اردو میں بہت سے ایسے بہترین ترجمے کئے گئے۔ جو معمولی کوشش سے انسان قرآن کریم کے فہم و مطلب کو سمجھ سکتا ہے۔ ان میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے تراجم زیادہ مقبول ہیں۔ تفسیر ماجدی بھی اسی باغ کے خوبصورت پھول ہیں۔"

حافظ صاحب کو عربی کے جدید ادب پر پورا عبور حاصل تھا۔ اس لئے آپ کو ترجمہ کرنے کے تمام
اہل تھے۔ مصری تقاضوں سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ اور تمام مسلمانوں کے احساسات پر پوری نظر رکھتے
لئے۔ تفسیر کی قدیم و جدید کتب پر نظر رکھتے تھے۔

کشاف القرآن کے معنوی محاسن مندرجہ ذیل ہیں۔
زبان صاف اور واضح ہے۔ اور پہلی ہی مرتبہ سمجھ میں آجاتی ہے۔
ترجمہ بامحاورہ ہے۔ عربی الفاظ کی ترتیب کی پابندی نہیں کی گئی ہے۔
اکثر مقامات پر مجموعی جملے کا ترجمہ مجموعی لحاظ سے کیا گیا ہے۔ اور لفظی رعایت ترک کردی گئی ہے۔
اسرائیلی روایات کو قطعاً نظر انداز کردیا گیا ہے۔ ۵۔ بعض خاص خاص مقامات پر قدیم مفسرین کی رائے
بیان کرتے ہیں۔ اور بعض جگہ ہم عصر مفسرین خصوصاً المراغی کی رائے کو شامل کیا گیا ہے۔
ابتدائی سورت میں اس کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ ۷۔ تاریخی مواد بھی تازہ ترین تحقیق کے مطابق شامل ہے۔
فقہی مسائل بھی بیان کئے گئے ہیں خصوصاً جس جگہ تفسیر کے لحاظ سے ابہام کا احتمال ہو۔
محاورے کی خاطر مفہوم و مطالب آیات کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔
یہ کوشش کی گئی ہے کہ مختصر الفاظ میں مطلب واضح ہوجائے۔

اس سے حافظ صاحب کی غرض یہ تھی کہ تفسیر کی ضخامت زیادہ نہ ہو اور ہدیہ بھی کم ادا کرنا پڑے۔
ان معنوی خصوصیات کے ساتھ ساتھ ناشر یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور نے جلد دوم کی کتابت و طباعت
اور جلد بندی میں بھی کافی محنت کی ہے۔ اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جہاں تک پشاور کا تعلق ہے۔ یہ تفسیر طباعت
ظاہری حسن اور فنی محاسن کے لحاظ سے دینی کتب میں ایک شاہکار ہے۔

ترجمہ کشاف القرآن | حافظ صاحب نے ترجمہ کرتے وقت کسی ترجمہ و تفسیر کو سامنے نہیں رکھا بلکہ خود ہی
اس عبارت کا ترجمہ رواں پشتو زبان میں کیا۔ ۲۔ جہاں کہیں تشریح طلب الفاظ کی ضرورت محسوس کی وہاں
قوسین الفاظ رکھے ہیں۔

قرآن مجید میں بعض الفاظ ایسے ہیں جن کے مختلف مقامات پر مختلف ترجمے کئے گئے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید
کے الفاظ اپنی اپنی جگہ جدا جدا غرض کے لئے مستعمل ہوتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے حافظ صاحب نے حضرت
شیخ الہند، مولانا تھانوی اور مولانا مودودی کی پیروی کی ہے۔
حافظ صاحب فطری طور پر جدت پسند تھے۔ ترجمہ میں جگہ جگہ اسی سے کام لیا گیا ہے۔ مثلاً پارہ اول کی ابتدا
"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کا ترجمہ یوں کیا ہے:۔

"خدا کے تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں، جو نہایت مہربان اور بہت رحم کرنے والا ہے"۔

یہاں "الرحمٰن" کا ترجمہ نہایت مہربان اور "الرحیم" کا "بہت مہربان" کیا ہے۔ بعد کی دوسری سورتوں میں جہاں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" ہے وہاں حافظ صاحب نے "الرحمٰن" کا ترجمہ "بخشنے والا" کہا ہے۔ الرحیم کا "بہت مہربان" کہیں "زیادہ مہربان" کہیں "بار بار مہربان اور کہیں" زیادہ رحم کرنے والا" اور کہیں صرف "مہربان" کیا ہے۔

پندرھویں پارہ سورہ بنی اسرائیل رکوع نمبر ۹ میں چار جگہ لفظ "قُل" آیا ہے۔ حافظ صاحب نے ہر جگہ اپنی مناسبت سے جدا جدا ترجمہ کیا ہے۔ قُل ربّ اَدخلنی اور دعا کریں کہ اے میرے رب مجھے پہنچا دیں۔ وقُل جاء الحق اور اعلان کریں کہ حق (بس یہی ہے) آگیا... قُل کُلّ (اے نبی انہیں) فرما دیجئے۔ قُل الرُّوح من امرِ ربّی فرمائیے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے۔

سورہ اخلاص میں قل ہو اللہ احد کا ترجمہ اعلان کرنے کا کیا ہے کہ "یہ اعلان کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے"۔ سورہ رحمٰن میں جہاں پہلی مرتبہ فبایّ آلاءِ ربّکما تکذّبٰن آتا ہے تو اس کا ترجمہ "تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"، دوسری مرتبہ "تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھوٹا سمجھو گے"۔ تیسری بار "تم دونوں قومیں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو چھپاؤ گے" کیا ہے۔

سورہ الکہف کی ۷۰ ویں آیت قَالَ اَلَمْ اَقُل اِنّکَ لَن تَستطیع معی صبرا۔ کا ترجمہ "میں نے (قبل اس کے) نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ گذارہ نہیں کرسکو گے۔ آگے چل کر یہی آیت ۷۵ ویں نمبر پر پارہ ۱۶ کی ابتدا میں آتی ہے جس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ "(حضرت خضرؑ) نے اس کو فرمایا کہ میں نے تم کو (پہلے) نہیں کہا تھا کہ آپ کا میرے ساتھ گذارہ نہیں ہو سکے گا"۔

مذکورہ نکات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ حافظ صاحب کو قرآن حکیم کے مضامین، کلمات اور اسلوب بیان پر بہت زیادہ دسترس حاصل تھی۔ آپ کو کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ان کلمات کو اللہ تعالیٰ مخصوص اور صاف بیان فرماتا ہے۔ جو بذاتہ مبالغہ کے ہیں۔ زیادہ مبالغہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اور کبھی یہ خیال غالب ہو جاتا ہے کہ مبالغہ بہرحال موجود ہے۔ اس کا اظہار ضروری ہے۔ اسی طرح آیت کا ترجمہ اغراض و مقاصد کے پیش نظر کیا گیا ہے

حقیقت یہ ہے کہ حافظ صاحب کا پشتو ترجمہ دور حاضر میں ایک مثالی ترجمہ ہے۔ پشتو زبان میں آج تک ایسا ترجمہ کسی نے نہیں پیش کیا۔

تفسیر | تفسیر کے بارے میں پشتو زبان ابتدائی مراحل سے گذر رہی ہے۔ مفسرین و ناشرین دونوں اس وقت اس پوزیشن میں نہیں ہیں۔ کہ مکمل تفصیل کے ساتھ پشتو زبان میں تفسیر لکھیں اور ناشرین اسے شائع کریں۔ حافظ

صاحب کے ایک ہم عصر عالم و فاضل مولانا حبیب الرحمان۔ رستم۔ ضلع مردان نے تفصیل کے ساتھ قرآن پاک کے
سول پاروں کی تفسیر لکھی ہے۔ اور ذاتی کوششوں سے چھپوائی ہے۔ لیکن اکثر علماء کو طویل تفسیر لکھنے اور
شرین کو چھاپنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ کیونکہ پشتو زبان میں ایسی تفاسیر کا نہ کوئی خریدار ہوگا اور نہ قارئین حضرات
افظ صاحب اس مشکل سے بخوبی واقف تھے۔ اس لئے آپ نے اپنی تفسیر ایسی مختصر رکھی جس میں جملہ ضروری
مطالب کو ایسے قلیل مگر جامع الفاظ میں مدون کیا جس سے تفسیری مطالب بھی پورے ہو گئے اور چھپوانے
لئے بھی آسانی ہو گئی۔

حافظ صاحب نے تفسیر میں بھی عموماً مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا مودودی کی تفاسیر سے زیادہ
ستفادہ کیا ہے جس کا اعتراف آپ نے تفسیر میں بھی کیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تفسیر بقول استاد محترم مولانا عبد القدوس
صاحب کی گویا "قرآن السعدین" ہے جو قدامت و جدت دونوں سے آراستہ ہے۔

ذیل میں اس اجتماع کے نتیجہ کے چند نمونے پیش خدمت ہیں۔

سورہ انعام میں حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں آپ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔
فلما جن علیہ اللیل رأی کوکبا (الی قولہ تعالیٰ) انی برئ مما تشرکون ترجمہ جب ستارے کو دیکھا
تو کہنے لگے فرمایا یہ میرا رب ہے۔ سو جب آفتاب غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے میری قوم تمہارے ہر قسم کے شرک
سے بیزار ہوں۔

علمائے قدیم نے اس مقام پر مختلف اعتراضات سے بچنے کی خاطر اس قصہ کو اس امر پر محمول کیا ہے کہ یہ باتیں
حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے ساتھ بوقت مناظرہ کے ان کے سمجھانے کے لئے فرضاً (بطور فرض کے) کہی تھیں
مولانا مودودی صاحب یہ قصہ حضرت ابراہیمؑ کا استدلال مانتے ہیں۔ حافظ صاحب بھی یہاں مودودی صاحب کی
تائید کرتے ہیں۔ لیکن حافظ صاحب کی سادہ اور مختصر عبارت اپنی جگہ مودودی صاحب سے زیادہ زوردار ہے
قرآن کے صفحہ ۲۳۶ پر یوں لکھتے ہیں :-

ترجمہ ۔ اس وقت ملک عراق میں بت پرستی عام تھی۔ اور ستارہ پرستی بھی تھی۔ جب آپ نے آنکھیں کھولیں تو
بت پرستی سے فوراً انکار کر دیا۔ پھر آپ نے کائنات سماوی پر نظر دوڑائی۔ تو آپ کی تلاش حق ستاروں سے چاند تک
اور چاند سے سورج تک پہنچی۔ اور جب یہ تمام اشیا آپ کو فانی معلوم ہوئیں تو ایک خدا کی وحدانیت کا اقرار کیا
اور عقیدے کی تبلیغ کی خاطر جہاد شروع کیا۔

اسی سورت کے گیارھویں رکوع آیت ۹ میں ولو تری اذ الظلمون فی غمرات الموت کے ترجمہ میں
حضرت علی تھانوی لکھتے ہیں۔ " اگر آپ ان کو اس وقت دیکھیں تو بڑا ہولناک منظر دکھائی دے جب کہ یہ ظالم

لوگ موت کی روحانی سختیوں میں گرفتار ہوں گے۔" اور پھر مزید تشریح کے لئے فرماتے ہیں۔
"غمرات" میں روحانی کی قید اس لئے لگائی کہ نزع کی شدت جسمانی کفارہ کے نہ لوازم میں سے ہے نہ خواص میں ہے" یہی تشریح مولانا شبیر احمد عثمانی نے بھی پسند فرمائی تھی۔ اور فوائد میں اس قدر لکھا۔" یعنی موت کی باطنی اور روحانی سختیوں میں"۔ مودودی صاحب یہاں یہ ترجمہ کرتے ہیں۔" کاش تم ظالموں کو اس حالت میں دیکھ سکو جب کہ وہ سکرات موت میں ڈبکیاں کھا رہے ہوتے ہیں"۔ مودودی صاحب نے یہاں یہ باریک نکتہ بیان نہیں کیا کہ نزع کی روحانی سختیوں کا ظاہری سختیوں سے تعلق نہیں ہے۔

حافظ صاحب نے یہاں ترجمہ تو سادہ کیا ہے۔" اور اگر تو نظارہ کرے جس وقت (دیہ) ظالم موت کی سختیوں میں پڑے ہوں"۔ لیکن فوائد میں اس نکتہ پہ زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ترجمہ۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس سختی سے مراد نزع کی ظاہری سختی نہیں ہے جس طرح عوام میں مشہور ہے۔ نزع کی ظاہری سختی کا تعلق جسم کی ساخت سے ہے۔ بچے کی نزع سخت ہوتی ہے۔ قوی اور پہلوان آدمی جب مرتا ہے تو اس کی نزع لمبی اور شدید ہوتی ہے کمزور اور بیماریوں کا مارا ہوا یا بہت ضعیف کی نزع آسان ہوتی ہے۔ اس میں نیک و بد اور متقی فاسق بلکہ مسلم و کافر کا فرق نہیں دکھائی دیتا۔ نزع کی جو سختی شریعت میں بیان ہو چکی ہے وہ باطنی سختی ہے۔ جسے صرف مردہ محسوس کرتا ہے اور دوسرے زندہ لوگ محسوس نہیں کر سکتے"۔

دسویں پارے کی آیت" ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجداللہ (الی قولہ تعالیٰ) وفی النارہم خالدون کی تفسیر میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب اور دوسرے مفسرین نے یہاں لمبے لمبے حاشیے لکھے ہیں۔ حافظ صاحب تفسیر میں اپنے فوائد کے ذیل میں صفحہ ۴۶۵ پر ان کا جامع خلاصہ بغیر کسی حوالے کے یوں پیش کیا ہے۔

پشتو سے اردو ترجمہ | مسجد کی آبادی میں اس کی عمارت بنانا۔ مرمت کرنا۔ صفائی کا خیال رکھنا اور اس میں عبادت کرنا سب شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب ایک آدمی کافر ہے تو اس میں یہ اہلیت نہیں ہے کہ وہ خانہ کعبہ یا کسی دوسری مسجد کا متولی بنے اور مکہ کے کافر مکہ معظمہ کی جس قدر خدمت کریں ان کو اس عمل کا کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

یہاں عمارت سے مراد کسی نے مسجد بنانا لیا ہے اور کافر کو مسجد کے بنانے سے منع کیا ہے۔ کسی نے مسجد میں اٹھنا بیٹھنا مراد لیا ہے۔ اور کہا ہے کہ کافر کو کسی مسجد کا خادم یا متولی ناجائز ہے۔ البتہ مسجد کے بنوانے کے متعلق فقہا نے فرمایا ہے کہ اگر کافر کو مسجد بنانے میں ثواب نظر آرہا ہے اور اس کو مسجد کے بنوانے میں اجازت دینے پر کوئی خطرہ لاحق نہ ہو تو اس کو مسجد بنانے کی اجازت دی جائے۔ لیکن جب مسجد بن جائے تو تصرف و اختیار مسلمان کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور بنانے والے کافر کا اس میں کسی قسم کا دخل نہیں رہے گا"۔

مندرجہ بالا تشریح مفسرین کے طویل مباحث کا اجمالی خلاصہ ہے۔ اردو زبان میں کسی مفسر نے یہ وضاحت نہیں کی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حافظ صاحب نے اپنی تفسیر میں فقہی مسائل کا خلاصہ بھی بیان کیا ہے۔

کشاف القرآن کی زبان دورِ حاضر میں جدید پشتو زبان ہے۔ حافظ صاحب عربی اور اردو کی طرح پشتو زبان کے ایک سلجھے ہوئے ادیب تھے۔ ہر ایک بات کو مختصر مگر جامع اور ٹھوس الفاظ میں بیان کیا ہے۔ مختصر یہ کہ تفسیر پر ادبیت چھائی ہوئی ہے۔

آپ کا ترجمہ نہ لفظی ہے اور نہ بالکل بامحاورہ جیس کی آپ نے پارہ عم کے "پیژندگلو" یعنی تعارف میں خود ہی اعتراف کیا ہے۔ البتہ پشتو زبان میں بامحاورہ اور سلیس تحریر کی یہ پہلی کوشش ہے۔ اور بقول آپ (حافظ صاحب) کے اس تفسیری حصہ میں ان مباحث کے عقدے کھولنے کی کوشش کی ہے۔ جو براہِ راست کلام اللہ سے متعلق ہیں۔ آپ نے ضروری شانِ نزول پیش کر دئے ہیں۔ اور کہیں کہیں ربط آیات پر روشنی ڈالی ہے۔ اسرائیلیات سے بالکل احتراز کیا ہے۔ اور جگہ جگہ ان کی غلطیوں کی تردید کی گئی ہے۔ آپ نے بعض مشکل الفاظ کے معنی اور بعض ترکیبوں کی بھی وضاحت کی ہے۔

امید ہے کہ آئندہ پشتو زبان میں قرآن مجید کی تفسیریں لکھنے والوں کے لئے سنگِ میل کا کام دے گی۔

قارئین

افکار واخبار

مکتوب فرانس | آپ فاضل ہیں، آپ کا فرمانا سر آنکھوں پر لیکن ابھی تشفی نہ ہوئی "حضرت" کا لفظ ہماری زبان میں پیغمبروں، صحابہ، اولیاء اور ائمہ کبار ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کا جہنم میں ہونا حدیث صحیح سے ثابت ہو تو اس کے لئے بھی یہ لفظ .... واللہ اعلم۔

امام محمد کی ولادت ۱۳۲ھ اور امام ابوحنیفہؒ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ امام محمد نے آٹھ سال امام ابوحنیفہؒ سے تلمذ کیا، پھر امام ابویوسف سے تکمیل کی۔ میں امام ابوحنیفہؒ کے ۱۴۱ھ میں وفات پانے، یا امام محمد کے ۱۳۵ھ میں پیدا ہونے کے ماخذوں سے بھی ناواقف ہوں۔ اور ہونے کی دلیلوں سے بھی۔ کیا آپ کے درس میں کوئی دس بارہ سالہ بچہ آکر بیٹھا کرے تو آپ اسے ڈانٹ کر باہر کر دیں گے۔؟ یا اس کے سوالات کا جواب دینے سے انکار کریں گے۔؟

امام محمد کی المبسوط (یا کتاب الاصل) اور چیز ہے۔ اور سرخسی کی المبسوط اور۔ آخر الذکر چھپ گئی ہے۔ اول الذکر دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن میں چھپ رہی ہے۔ دونوں میں کوئی یکسانی نہیں۔ سرخسی کا مبسوط کو حافظے سے لکھنا بے معنی بات ہے۔ وہ قید تھے۔ ان کے شاگرد المختصر الکافی لاکر پڑھتے اور سرخسی سن کر اسکی شرح لکھاتے۔ ان میں کیا اشکال ہے؟ میں رفیع الدین شہاب صاحب کے مضمون سے ناواقف ہوں۔ دیکھے بغیر جواب مناسب نہیں۔

نیازمند۔ محمد حمید اللہ۔ پیرس

الحق:۔ شہاب صاحب نے ایک مضمون میں امام محمدؒ کا امام اعظم سے تلمذ سے انکار کیا ہے۔ احقر نے ڈاکٹر صاحب کو اس طرف توجہ دلائی تھی۔ یہ سطور اسی بارہ میں ہیں۔ (ادارہ)

سنین وفات کی تصحیح | ذی الحجہ کے شمارہ میں ڈاکٹر محمد حنیف صاحب کے مضمون جو خوشحال خان کے بارہ میں ہے جس میں ص۳۳ پر حضرت شیخ رحمکار کاکا صاحبؒ کا سن وفات ۱۰۴۳ھ درج ہے۔ جو بالکل غلط ہے۔ شاید کتابت کی غلطی ہے۔ اصل سن وفات ۲۳ ماہ رجب ۱۰۶۳ھ ہے۔ ۲۰ سال کا یہ فرق بڑا فرق ہے۔ اس صورت میں تو ان کی وفات کے وقت خوشحال خان کی عمر ۲۱ سال بنتی ہے۔ آگے جاکر ص۳۵ کے حاشیہ ۳

پر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کی سنِ وفات ۱۰۹۹ھ لکھا ہے۔ جبکہ بالاتفاق ان کا سنِ وفات ۱۰۶۷ھ ہے۔ غلط سنین سے بہت تاریخی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ آپ بے حد مصروف ہیں مگر ہندسوں کی تصحیح کا خاص اہتمام کسی سمجھدار شخص سے کروالیا کریں۔
(مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)

حضرت فقیر صاحب کی تاریخ وفات | اکتوبر، نومبر کے الحق میں ڈاکٹر محمد حنیف صاحب پشاور نے حضرۃ جمال خان مشہور بہ فقیر بابا کی تاریخ وفات ۱۱۱۹ھ کے سلسلہ میں فارسی کا ایک شعر تحریر فرمایا ہے ؎

چوں رفت از جہاں ایں کرامت حذیلہ
بجز "ق" آمد زعالم عنـــــر یو (۱۲۱۹-۱۰۰ = ۱۱۱۹ھ)

اس سلسلہ میں پشتو کا بھی ایک شعر ہے جو بالکل واضح ہے ؎

چہ صاحب می تپوکړے د سفر وو
یو لس ۱۱۱۶ھ سوۂ شپاړس سن د پیغمبر وو

گویا حضرت فقیر بابا نے ۱۱۱۹ھ میں نہیں بلکہ ۱۱۱۶ھ میں وفات پائی۔ ایک اور وفات نامہ بھی پشتو زبان میں ہے

وفات د فقیر صاحب چہ سن هجری وو
پہ حروفو "د عقیب" کښی دا مخفی وو

گویا اپنے بڑے بھائی خوشحال خان خٹک سے سولہ سال بعد رحلت فرما چکے۔

(محمد نواز خٹک۔ صادق آباد مردان)

مولانا محمد شریف جالندھری کا مدفن | ذی الحجہ کے شمارہ میں حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری خیرالمدارس ملتان کی وفات کے بارہ میں شذرہ پڑھا اور یہ کہ وہ جنت البقیع مدینہ طیبہ میں مدفون ہوئے۔ یہ اطلاع غلط ملی ہو گی۔ مرحوم کو جنت المعلیٰ مکہ مکرمہ میں دفن کیا گیا ہے۔

(محمد شریف۔ ملتان)

FABRICS

پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
SOHRAB
سہراب